کو روکے رکھا ہے نہ عرب کے باشندوں سے نہ ایشیا سے اسکی روحانی بارش روکی گئی ہے نہ یورپ سے نہ امریکہ کے جنگل اس سے محروم رہے ہیں نہ افریقہ کے ریگستان۔ قرآن کریم بڑے زور سے دعویٰ فرماتا ہے کہ وان من امة الاخلا فیھا نذیر (فاطر۔ ع ۳) یعنی کوئی بھی ایسی قوم نہیں گذری کہ جسمیں خدائے تعالیٰ کی طرف سے کوئی نبی نہیں بھیجا گیا اور اسی طرح فرماتا ہے ولقد بعثنا فی کل امة رسولا ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت (نحل۔ ع ۵) ہر ایک قوم میں ہم نے رسول بھیجے ہیں کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔ اسی طرح ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہندوستان میں بھی بعض رسول گذرے ہیں اور ایران کے متعلق جب آپ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہاں فارسی زبان بھی خدا تعالےٰ کے کلام سے خالی نہیں رہی اور اس کا الہام اِس زبان میں بھی اُترتا رہا ہے پس ان حالات کی موجودگی میں اگر اسلام اور دیگر مذاہب کا مقابلہ کرتے وقت میں یہ دعویٰ کروں کہ دنیا کی ہدایت کے لیئے اگر کوئی مذہب بھیجا گیا ہے تو وہ صرف وہی مذہب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہُوا تھا تو ایسا دعویٰ خود اسلام کے خلاف ہوگا پس میری پوزیشن مختلف مذاہب کا مقابلہ کرتے وقت دیگر تمام مذاہب کے پیرووُں سے بالکل مختلف ہے کیونکہ وہ اپنے نبیوں کی صداقت کے ثابت کرنیکے لیئے دوسری اقوام کے نبیوں کی تکذیب کرنے پر مجبور ہوتے ہیں لیکن مَیں اس نبی کی صداقت ثابت کرنیکے لیئے جسکی غلامی میں ہونیکا مجھے فخر حاصل ہے اس بات پر مجبور ہوں کہ تمام دنیا کے نبیوں کی تصدیق کروں ایک آریہ ویدوں کے لانے والے رشیوں کے دعویٰ کو اسی وقت تک محفوظ سمجھتا ہے جبتک دنیا میں کوئی اور خدا کا پیارا اور برگزیدہ بندہ جو اس سے براہ راست کلام حاصل کرنیوالا ہو ثابت نہ ہو پس وہ اپنے مذہب کی سچائی ثابت کرنیکے لیئے ان تمام راستبازوں کو جو مختلف ممالک میں بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیئے بھیجے گئے جھوٹا قرار دیتا ہے ایک یہودی یا مسیحی اپنی الہامی کتب کی عزت اسی میں خیال کرتا ہے کہ انکے سوا جسقدر کتب خدائے تعالیٰ کی طرف سے اسکے ان بندوں کی ہدایت کیلیئے

جو سرزمین شام کے علاوہ اور ممالک میں بستے تھے نازل ہوئی تھیں جھوٹی قرار دیجائیں
پس وہ اپنے مذہب کی تائید کے لیئے دیگر مذاہب کو سرے سے ہی باطل قرار دیتا ہے
اسی طرح ایک زردشتی ایران کے باہر کسی الہامی کتاب کے نزول کو اپنے مذہب کے فوائد
کے سخت خلاف سمجھتا ہے اور اس لیئے ایسے تمام نبیوں کو جو ایران کے باہر گذری ہوں
کاذب اور ایسی تمام کتب اور وحیوں کو جو ایران سے باہر نازل ہوئی ہوں انسانی مفتریات
قرار دیتا ہے غرض اسلام کے سوا تمام مذاہب کے پیرو جب تاریخ قدیم کے مفتشوں کی
تحقیقات سے کبھی یہ بات معلوم کرتے ہیں کہ کسی زمانہ میں کسی اور ملک میں کسی شخص نے نبوت کا
دعویٰ کیا تھا یا کوئی اور کتاب خدائے تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ بتائی جاتی تھی تو
وہ فوراً ہوشیار ہو جاتے ہیں کہ ہمارے مذہب کا ایک اور دشمن بھی پیدا ہو گیا ہے لیکن
اسکے بالکل برعکس ایک مسلمان کی حالت ہے کہ جب کبھی بھی اسکے سامنے کسی ملک کے
کسی نبی کا ذکر کیا جائے تو اس کا دل خوشی سے اچھل پڑتا ہے کیونکہ اسکے ہاتھ میں قرآن
کریم کی صداقت کا ایک اور ثبوت ملجاتا ہے اور اسکی آنکھوں کے سامنے فوراً یہ صداقت
سے پُر کلام آجاتا ہے کہ وان من امة الا خلا فیها نذیر کوئی قوم نہیں ہے
کہ جس میں کوئی خدا کا نبی نہ گذر چکا ہو جسقدر ممالک میں جسقدر نبیوں اور جسقدر کتب کا
بھی ثبوت ملے اتنا ہی قرآن کریم کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے کہ ہر ایک قوم میں نبی گذرے
ہیں اور اسلام کے سوا جسقدر اور مذاہب بھی ثابت ہوں ایک مسلمان کو انکے معلوم
کرنے سے رنج کی بجائے خوشی ہوتی ہے پس اسلام اور دیگر مذاہب کا مقابلہ کرتے وقت
میرا یہ کام نہیں کہ میں دیگر مذاہب کو انسانوں کا بنایا ہوا اور مختلف اقوام کے نبیوں اور
رشیوں کو نعوذ باللہ مفتری اور کاذب ثابت کروں بلکہ میرا بحیثیت ایک مسلمان ہونیکے
یہ فرض ہے کہ جسقدر راستباز مختلف اقوام اور مختلف ممالک میں گذرے ہیں میں انکی
تصدیق کروں اور بلا کسی انقباض کے جس طرح بنی اسرائیل کے نبیوں کی صداقت کا اقرار
کروں اسی طرح ہندوستان کے برگزیدوں رامؑ اور کرشنؑ کی راستبازی کا اور ایران
کے بزرگ زردشت کی صداقت کا اعتراف کروں اور جس قوم کا بھی کوئی راستباز ہو

جس نے خدائے تعالےٰ کی طرف سے ہونیکا دعویٰ کیا ہو اور اللہ تعالےٰ کی تائید اور نصرت اسے حاصل ہوئی ہو اور اللہ تعالیٰ نے اسکی قبولیت بنی نوع انسان کے دل میں پیدا کردی ہو اسکو خدائے تعالیٰ کی طرف سے تسلیم کروں کیونکہ جیسا کہ قرآن کریم مجھے بتاتا ہے کہ ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا او کذّب بآیٰتہ انہ لا یفلح الظّٰلمون - اس شخص سے زیادہ ظالم اور قابل سزا کون ہو سکتا ہے جو خدائے تعالےٰ پر جھوٹ بولتا ہے اور لوگوں کو جھوٹے الہام بنا بنا کر سناتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونیکا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ اسے خدائے تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں اور اگر ایسا شخص بھی کامیاب اور بامراد ہو سکتا ہے تو پھر خدائے تعالیٰ کی طرف سے آنیوالوں میں اور جھوٹوں میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔

دوسرے مذاہب کی موجودگی میں اسلام کی ضرورت

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اسلام تمام دیگر مذاہب کو جو مختلف ممالک میں پیدا ہوئے اور پھیلے خدائے تعالیٰ کی طرف سے قبول کرتا ہے تو پھر ان مذاہب کے ہوتے ہوئے اسلام کی کیا ضرورت ہے اور انکی موجودگی میں اُسے دوسرے مذاہب کے پیروان کے سامنے پیش کرنے میں کیا فائدہ ہے۔

سو اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں اسلام یہ تسلیم کرتا ہے کہ وہ پہلا ہی مذہب نہیں بلکہ اس سے پہلے بھی تمام بلاد میں اللہ تعالیٰ ہر قوم کی ہدایت کے لیئے رسول بھیجتا رہا ہے وہاں یہ بھی دعویٰ کرتا ہے کہ اسلام سے پہلے جسقدر مذاہب آئے تھے وہ اسوقت کی محدود ضروریات کے مطابق تھے اور اسی لیئے ہر ایک قوم میں الگ الگ نبی بھیجے جاتے تھے تا انسانوں کو اس اعلیٰ ترقی کے لیئے تیار کیا جائے جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے انکے لیئے مقدر تھی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بوجہ انبیاء کے زمانہ سے بعد واقع ہوجانے کے تمام دین ہلاکت کے کنارہ پر پہنچے ہوئے تھے اور خدائے تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پاک علوم میں انسان نے اپنی نادانی سے بہت سی باتیں اپنی طرف سے زیادہ کرکے اس پاک چشمہ کو مکدر کردیا تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقھم

بعض الذی عملوا لعلھم یرجعون (سورہ روم ع ۵) یعنی خشکی میں بھی اور تری میں بھی لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے فساد ظاہر ہوگیا ہے۔ اور قرآن کریم کے محاورہ کے مطابق خشکی سے مراد وہ عقل ہوتی ہے جو وحی الٰہی سے مجرد ہو اور تری سے مراد کلام الٰہی ہوتا ہے پس اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ لوگوں کی بداعمالیوں کا نتیجہ اسوقت اس طرح ظاہر ہو رہا ہے کہ ایک طرف تو خواہشات نفسانی نے لوگوں کی عقلوں پر پردہ ڈال رکھا ہے اور لوگوں کی عقلیں بوجہ وفور ہوا و ہوس خراب ہو رہی ہیں اور وہ اقوام جن کا دارومدار صرف عقل پر ہے بوجہ دنیا میں کامل طور پر منہمک ہونیکے اس مقام تک بھی پہنچنے سے محروم ہو رہی ہیں جہانتک مجرد عقل انسان کو پہنچا سکتی ہے اور کلام الٰہی بھی بگڑ چکا ہے یعنی خدائے تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیئے مختلف ممالک اور مختلف اوقات میں جو نبی بھیجے تھے انپر جو کلام نازل ہوا تھا اس میں بھی لوگوں نے اپنی عقل سے ایسے خیالات ملا دیئے ہیں کہ اسے بھی گندہ کر دیا ہے اور اس طرح وہ اقوام جنکا دارومدار کلام الٰہی پر تھا اور جو اس چشمہ صافی سے سیراب ہوتی تھیں اب وہ بھی بوجہ اس چشمہ کے مکدر ہونیکے وہ روحانیت حاصل نہیں کر سکتیں جو وہ پہلے اسکے صاف پانی سے حاصل کرتی تھیں اسلیئے انمیں بھی کمزوریاں اور بدیاں پھیل رہی ہیں پس جبکہ دنیا کی یہ حالت ہو رہی ہے تو ضرور تھا کہ خدائے تعالیٰ جو اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے انکی خبر گیری کرے اور اس ہلاکت سے انکو بچائے۔ واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مختلف مذاہب کے متبعین کی ایسی ہی حالت تھی جیسا کہ ایک بلند مینار کے اردگرد مختلف رسّے لٹک رہے ہوں اور کچھ لوگ ان مختلف رسّوں کو پکڑ کر اسپر چڑھنا چاہیں تو سرے پر جا کر انکے ہاتھ چھوٹ جائیں اور انکے گرنے میں سوائے اسکے اور کوئی روک نہ ہو کہ ان کا کوئی کپڑا رسّہ کے کسی حصّے سے لپٹ جائے اور وہ اس طرح اوندھے مُنہ ہوا میں معلق پڑے ہوئے ہوں مختلف زمانہ میں انبیاءؑ نے مختلف اقوام کو روحانیت کے بلند مینار پر چڑھانا شروع کیا جسکی وجہ سے استعدادوں میں تو ترقی ہوگئی لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں انبیاءؑ سے بُعد کی وجہ سے مختلف مذاہب کے پیرو علمی اور اعتقادی حالت

میں ایسے گر گئے کہ اگر اس وقت کوئی انکو ہدایت کی طرف بلانیوالا نہ آتا تو وہ بالکل ہلاک ہو جاتے اور وہ تمام کوششیں جو مختلف انبیاءؑ نے کی تھیں اکارت جاتیں لیکن جیسا کہ قرآن کریم دعویٰ کرتا ہے وہ دنیا کا نجات دہندہ عین وقت پر آگیا اور اس نے ان اوندھے مُنہ لٹکتے ہوئے انسانوں کو جو یوں تو مینار کے سر تک پُہنچ گئے تھے لیکن اپنی موجودہ حالت میں نیچے کھڑے ہوئے انسانوں سے بھی زیادہ خطرہ میں تھے ہاتھوں سے پکڑ پکڑ کر اوپر اُٹھا لیا اور ان مختلف لوگوں کو جو مختلف جہات سے چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے مینار کی بلندی پر ایک ہی جگہ اکٹھا کر دیا اور آیندہ کے لیئے سب دنیا کے لیئے ایک ہی مذہب اور ایک ہی کتاب قرار پائی کیونکہ تمدن کی ترقی نے اب سب دنیا کو ایک ہی ملک کی طرح اور سب بنی نوع انسان کو ایک ہی قوم کی طرح کر دیا تھا اور وہ پہلا دن تھا جب کہ بردرھڈ آف مین (اخوت انسانی) پر اسکے حقیقی معنوں میں عمل کیا گیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم الٰہی کے ماتحت بڑے زور سے دنیا میں اعلان کیا کہ یَاَیُّھَا النَّاسُ اِنّی رسول اللہ الیکم جمیعاً الذی لہ ملک السمٰوٰت والارض لا الٰہ الا ھو یحی ویمیت فامنوا باللہ ورسولہ النبی الامی الذی یؤمن باللہ وکلمٰتہ واتبعوہ لعلکم تھتدون (اعراف آیت ۱۵۷) اے لوگو میں خدائے تعالےٰ کی طرف سے تم سب کی طرف بلا استثناء کے رسول بنا کر اس خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہوں جسکے قبضہ میں آسمان و زمین کی بادشاہت ہے اور اسکے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے پس ایمان لاؤ اللہ اور اسکے رسول پر جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے غیب کی خبریں قبل از وقت سناتا ہے جو اسی طرح گناہ سے پاک ہے جس طرح وہ بچہ جو ابھی اپنی ماں سے جدا نہیں کیا گیا اور جو تم کو ہی ایمان و عمل کی طرف نہیں بلاتا بلکہ خود بھی خدائے تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور اسکے تمام احکام کو قبول کرتا ہے پس تم اسکی فرمانبرداری کرو تاکہ تم خدائے تعالیٰ تک پُہنچ سکو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے کہ تمام دنیا کی طرف ایک ہی رسول اسلیئے بھیجا گیا ہے کہ تا اس ذریعہ سے وہ خدا جو زمین و آسمان کا ایک ہی خدا ہے اپنے پورے جلال کے ساتھ ایک ہی رسول کے ذریعہ سے سب دنیا پر ظاہر ہو

اور تا اسکی توحید ایک نئے رنگ میں جلوہ گر ہو اور یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ وہ اسوقت دنیا کو چھوڑ دیتا حالانکہ وہ زندہ کرنیوالا اور مارنے والا ہے پس اسکی صفت احیا نے چاہا کہ مردہ زمین کو پھر زندہ کرے اور جو مذاہب کہ اب دنیا کی ہدایت کے لیئے کار آمد نہیں انکو مردہ مذاہب میں شامل کر دے یعنی انکو منسوخ کرکے ایک کار آمد اور کل انسانی ضروریات کو پورا کرنے والا مذہب دنیا میں پھیلائے اور یہ دعویٰ ایک ایسا دعویٰ تھا جو نہ تو ہند کے رشیوں نے نہ ایران کے دانا نے نہ شام کے نبیوں نے کیا تھا بلکہ وہ ایک ہی قوم یا ایک ہی ملک کی طرف آئے تھے اور اگر کسی قوم نے اپنی تبلیغ کو کسی وقت وسیع بھی کیا ہے تو بانیان مذہب کی تعلیم کے خلاف اور انکے بعد ایسا کیا ہے جیسا کہ اسلام کے سوا دوسرے مذاہب میں سے سب سے بڑی تبلیغی مذہب یعنی مسیحیت کی تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت مسیحؑ نے تو تبلیغ عام سے روکا لیکن انکے بعد تبلیغ عام کردیگئی۔ پس وہ اس مذہب کا حصہ نہیں کہلا سکتی۔ غرض اسلام کا دعویٰ ہے کہ اس سے پہلے جسقدر مذاہب تھے وہ دو وجوہات سے منسوخ کر دیئے گئے اوّل تو یہ کہ انکی بعض تعلیمیں وقتی تھیں اور ایک خاص قوم یا خاص ملک یا خاص زمانہ کے حالات کے مطابق تھیں اسلئے اللہ تعالیٰ کی کامل حکمت چاہتی تھی کہ اب انکو منسوخ کر دیا جائے اور ایک ایسی تعلیم بھیجی جائے جو سب قوموں اور سب ملکوں اور سب زمانوں کے مطابق حال ہو۔ اور دوم اسلیئے کہ پہلی کتب کی اصل تعلیم بھی بہت کچھ بگڑ چکی تھی اور انکی الہامی کتابیں اس شکل میں نہ رہی تھیں جسمیں کہ وہ نازل ہوئیں تھیں اور اب انپر عمل کرنا ایک محقق انسان کیلیئے مشکل ہو گیا تھا کیونکہ وہ اسکے لیئے بوجہ مشکوک ہونیکے باعث تسلّی نہ رہی تھیں اور باوجود انکے اندر بہت سی صداقتوں کے موجود ہونیکے انسان یقین اور تسلّی سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ جس حکم پر عمل کر رہا ہے واقعہ میں وہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہے بھی یا نہیں پس اس بے اعتباری اور شک کو دور کرنیکے لیئے جو روحانی ترقیات کیلیئے ایک مہلک زہر کی طرح ہوتا ہے خدائے تعالیٰ نے چاہا کہ ایک نیا کلام اور نئی شریعت نازل کرے جسپر انسان بلا کھٹکے کے عمل کر سکے اور جسکے ہر ایک لفظ کی نسبت اسے یقین ہو کہ یہ خدائے تعالیٰ کا کلام ہے اور اسلام اور دیگر مذاہب میں یہ بھی ایک عظیم الشان فرق ہے کہ دیگر مذاہب میں سے ایک بھی ایسا نہیں جسکی مذہبی کتب اسی طرح محفوظ ہوں جس طرح

اس اعتراض کا جواب کہ پہلی کتب کی کیوں خدائے تعالیٰ نے حفاظت نہ کی

وہ نازل ہوئی تھیں یا جنکے محفوظ ہونیکا کوئی قطعی ثبوت ہو۔ لیکن اسلام کی کتاب قرآن کریم کی نسبت زبردست تاریخی شہادتوں کی بناپر یقیناً کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی اسی شکل میں ہے جس شکل میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اسلیئے جو تسلی ایک مسلم کو قرآن کریم پر عمل کرتے وقت ہو سکتی ہے وہ کسی اور مذہب کے پیرو کو اپنی الہامی کتب پر نہیں ہو سکتی کیونکہ ۔ ۔ ۔ ۔ باقی تمام کی تمام کتب کا یہی حال ہے کہ یا تو زبردست تاریخی شہادتوں سے ثابت ہو گیا ہے کہ انکی اصل شکل اسوقت قائم نہیں ہے اور یا وہ ایسے تاریک زمانوں میں سے گذری ہیں کہ ہرگز یقین کے ساتھ انکی نسبت نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اپنی اصلی حالت پر ہیں اور یہ اعتراض ہرگز قابل وقعت نہیں کہ پہلی کتب کی کیوں خدائے تعالیٰ نے حفاظت نہ کی کیونکہ ابتدائی زمانہ میں مختلف اقوام ایک دوسرے سے کیا بلحاظ مسافت کے اور کیا بلحاظ تمدن کے اتنے بعد پر تھیں کہ انکے لیئے ایک کتاب نہیں بھیجی جا سکتی تھی اور روحانی حالت بھی اسوقت ابتدائی منازل میں سے گذر رہی تھی پس ضرور تھا کہ اسوقت کی ضروریات کے مطابق ہر ایک علاقہ میں الگ نبی اور الگ کتاب بھیجی جاتی اور چونکہ ان ابتدائی کتب نے بہرحال انسان کی ترقی کے ساتھ ساتھ منسوخ ہونا تھا اسلیئے انکی حفاظت کی کوئی ضرورت نہ تھی اور یہی وجہ ہے کہ یہ دعویٰ صرف قرآن کریم میں ہی ہے کہ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون ؏ ہم ہی نے اس کتاب کو اُتارا ہے اور ہم ہی اسکے محافظ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ خود اسکی حفاظت کریگا اور اسے بگڑنے نہ دیگا اور یہ وہ دعویٰ ہے جو قرآن کریم کے سوا کسی اور کتاب نے نہیں کیا اگر کیا ہے تو کوئی شخص ہمیں کسی الہامی کتاب کا یہ دعویٰ دکھائے ہم اسکے نہایت ممنون احسان ہونگے ۔ لیکن قرآن کریم کے سوا کوئی الہامی کتاب ایسا دعویٰ نہیں کرتی اور کر بھی نہیں سکتی کیونکہ قرآن کے سوا کوئی اور کتاب نہیں جس نے سب دنیا کے لیئے ہونیکا اور پھر ہر رنگ میں کامل ہونیکا دعویٰ کیا ہو اور اگر ان دونوں دعووں کے بغیر کوئی کتاب ایسا دعویٰ کرتی تو اس کا یہ مطلب ہوتا کہ یا تو قیامت تک باوجود تمدن کی ترقی کے ۔ اور بنی نوع انسان کے جسمانی اور روحانی اختلاط کے ۔ خدائے تعالیٰ نے بلاوجہ نعوذ باللہ کل انسانوں کو مذہباً جدا جدا رکھنا چاہا ہے اور اس اتحاد سے جو تمام ترقیات کی جڑھ ہے محروم رکھنا پسند کیا ہے اور

؏ الحجر ع

یا پھر یہ قبول کرنا پڑتا کہ اللہ تعالیٰ نے باوجود انسان کے ہر رنگ میں ترقی پاجانے کے کامل شریعت سے اسے حصّہ نہیں دیا اور ان شرائع کو بلاضرورت بلکہ خلاف مصلحت جاری رکھا جو کہ صرف خاص اوقات اور خاص زمانہ کے ساتھ تعلق رکھتی تھیں اور یہ دونوں باتیں کوئی دانا انسان قبول نہیں کر سکتا۔ پس چونکہ دیگر کتب نہ تو سب جہان کیلیئے تھیں اور نہ انکی تعلیم انسانی اعمال کے تمام شعبوں کے متعلق احکام پر حاوی تھی اسلیئے ہرگز ضروری نہ تھا کہ انکی خاص طور پر حفاظت کیجاتی اور انکا حال ایسا ہی تھا کہ جیسے کسی ضرورت کے وقت ایک جگہ پر عارضی کیمپ لگائے جاتے ہیں تو انکی حفاظت اس رنگ میں نہیں کیجاتی جس رنگ میں کہ ان عمارتوں کی جو ہمیشہ کے قیام کے لیئے بنائی جاتی ہیں کیونکہ اول الذکر کا فائدہ صرف عارضی ہوتا ہے اور اس فائدہ کے حاصل ہو چکنے کے بعد اسکی ضرورت نہیں رہتی لیکن آخرالذکر کے ساتھ ہمیشہ کا تعلق ہوتا ہے اسلیئے اسکی حفاظت کیجانی ضروری ہوتی ہے۔

قرآن کا دعویٰ

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تمام مذاہب میں سے صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کی الہامی کتاب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ تمام انسانوں اور تمام آئندہ زمانوں کے لیئے ہے جیسا کہ فرمایا کہ اوحی الیّ ھٰذا القراٰن لانذرکم بہ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

ومن بلغ (انعام - آیت ۲۰)٭ یعنی اے اس زمانہ کے لوگو! یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے تاکہ میں تم کو اسکے ذریعہ سے خدائے تعالیٰ کے غضب سے ڈراؤں اور انکو بھی جنکو یہ قرآن پہنچتا جائے یعنی اس کتاب کے متعلق کسی خاص زمانہ اور کسی خاص ملک کی شرط نہیں جسے اسکی خبر ملے اسپر اسکا ماننا اور اسپر عمل کرنا فرض ہے۔ اسی طرح اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جسکی الہامی کتاب نے یہ دعویٰ کیا ہے الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی یعنی آج کے دن میں نے تمہارے لیئے تمہارا دین ہر رنگ میں کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے۔ اور ان دونوں باتوں کا لازمی نتیجہ تھا کہ اس کتاب کی نسبت یہ بھی کہا جاتا کہ خدائے تعالیٰ اسکی حفاظت کریگا کیونکہ جو کتاب کامل ہوگئی اسکے منسوخ کرنے کی ضرورت نہیں اور جو ہر زمانہ کے لیئے ہے اسکی حفاظت کیئے بغیر چارہ نہیں۔ (مائدہ ع)

٭ ایسا ہی فرمایا تبارک الذی نزّل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعٰلمین نذیرا۔ (فرقان)

اسلام میں اور دوسرے مذاہب میں فرق

میرے پچھلے مضمون سے یہ بات بپایۂ ثبوت پہنچ جاتی ہے کہ اسلام سب ادیان کو خدا کی طرف سے سمجھتا ہے لیکن اس بات کا مدعی ہے کہ جسوقت اسلام آیا اسوقت سب مذاہب بگڑ چکے تھے اسلیئے خدائے تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کے لیئے قرآن کریم اُتارا اور چونکہ انسان کی روحانی استعداد کامل ہو چکی تھی اور دنیا بھی اس حدتک ترقی کر چکی تھی کہ تمام عالم آپسمیں ملجائے جیسا کہ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا اسلیئے خدائے تعالیٰ نے ایک کامل اور مکمل دین دنیا کی طرف بھیجا تا اسے ترقی کے کمال پر پہنچلائے پس اس اصل کے ماتحت ہم جو اسلام کا مقابلہ دیگر ادیان کے ساتھ کرتے ہیں تو یا تو اسلیئے کہ ان مذاہب میں بعض خوبیاں تھیں لیکن مرور زمانہ کے سبب سے وہ بعد میں مٹ گئیں یا انکی جگہ بعض انسانوں نے اپنے بعض مطالب کو پورا کرنے کے لیئے کچھ اور تعلیم ملادی اور یا اسلیئے کہ انمیں جو تعلیم تھی وہ بنفسہٖ تو اچھی تھی لیکن ایسی نہ تھی کہ ہر زمانہ اور ہر وقت میں کام آسکتی اور اسمیں خاص حالات کو مدنظر رکھکر انسانی فطرت کے کسی خاص پہلو پر یا انسانی فرائض میں سے کسی خاص فرض پر زور دیا گیا تھا اور انسانی فطرت کے بعض دیگر پہلوؤں یا اسکے بعض فرائض کو یا تو بالکل نظر انداز کر دیا گیا تھا یا ایسے ڈھیلے الفاظ میں انکا ذکر تھا کہ وہ انسانی اعمال کی درستی کے لیئے پورے طور پر مؤثر نہیں ہو سکتے تھے چنانچہ اسلام اور دیگر مذاہب کے اس فرق کو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے وکذالک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا* اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک ایسی اُمّت بنایا ہے کہ جو اپنے اعمال میں ایک درمیانی رنگ رکھتی ہے اور نہ تو افراط کی طرف جھک جاتی ہے اور نہ تفریط کی طرف مائل ہو جاتی ہے بلکہ اسکے اعمال ترازو کے تول کی طرح ایسے درمیان میں رہتے ہیں کہ کسی پہلو کو انمیں نظر انداز نہیں کیا جاتا اور ہم نے تم کو ایسا اسلیئے بنایا ہے کہ تا تم دوسرے مذاہب اور دوسری اقوام کے لیئے ایک گواہ کی طرح رہو یعنی جس طرح گواہ کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے کہ حق کیا ہے اور کس کا ہے اسی طرح تم میں سے جو لوگ قرآن کریم کی تعلیم پر چلکر اسکے نیک اثرات کو اپنے اندر پیدا کریں وہ دوسری اقوام کیلیئے جو ابتک قرآن کریم کی صداقت سے لذت آشنا نہیں اسکی صداقت اور اسکے وسیع اور روحانی

* بقرہ ع ۱۷

زندگی میں تغیر عظیم پیدا کرنیوالے اثرات پر بطور ایک شاہد کے ہوں یعنی زبان اور عمل دونوں سے اس بات کا اقرار کریں کہ انہوں نے اسکے دعاوی کو سچ پایا اور لوگ انکی پاکیزہ زندگی اور آسمانی نصرت کو دیکھکر سمجھ لیں کہ سچا راستہ یہی ہے جسپر یہ لوگ چلتے ہیں اور پھر آخر میں بتایا کہ جس طرح ان مسلمانوں کو جو قرآن کریم کی تعلیم پر چلتے ہیں دوسری اقوام کے لیئے شاہد بنایا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جماعت کے لیئے شاہد بنایا ہے یعنی انکے دل میں آپکی زندگی کو دیکھکر اسلام کی صداقت گھر کر جاتی ہے غرض قرآن کریم نے خود دعویٰ کیا ہے کہ اسلام کو دیگر مذاہب پر یہ فضیلت ہے کہ اس میں کسی بات میں افراط تفریط سے کام نہیں لیا گیا بلکہ اسکی تعلیم درمیانی ہے اور اسلیئے ہر زمانہ اور ہر ملک و قوم کے لیئے ہر حالت میں کارآمد ہے اور گو قرآن کریم میں اور بھی بیسیوں بلکہ سینکڑوں اور ہزاروں خوبیاں ایسی مذکور ہیں اور احادیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی بڑی کثرت سے ایسی خوبیاں پائی جاتی ہیں لیکن میں اسوقت صرف ایک ایسی خوبی پر نہایت اختصار سے کچھ بیان کرونگا جس سے معلوم ہو جائیگا کہ اسوقت صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو تمام انسانی ضروریات کو پورا کرتا ہے اور جس کا کوئی حکم ایسا نہیں کہ کسی خاص مصلحت اور زمانہ کے لیئے دیا گیا ہو اور بعد میں اسکی ضرورت نہ رہی ہو پس وہی ایک مذہب ہے جسکی طرف طالبان صداقت کو دوڑنا چاہیئے اور جان بیچکر بھی اسے خریدنا چاہیئے کیونکہ نیک انسان کے لیئے صداقت سے زیادہ اور کوئی چیز محبوب نہیں میں اس نہایت ہی مختصر مقابلہ میں زیادہ زور صرف اسلام کی خوبیوں کے بیان پر دونگا اور دیگر مذاہب کے جو احکام کہ بگڑ گئے ہیں یا وہ ہر ایک زمانہ میں اور ہر حالت میں قابل عمل نہیں ہیں انکی طرف صرف اشارہ کرنا کافی سمجھونگا کیونکہ اول تو گنجائش نہیں۔ دوم بعض لوگ شاید ان تفاصیل سے کسی قدر گھبرائیں۔

مذہب کی غرض

پیشتر اسکے کہ ہم اسلام اور دیگر مذاہب کا اس خاص پہلو میں مقابلہ کریں جو میں اوپر بیان کرچکا ہوں یہ دیکھنا چاہیئے کہ مذہب کی غرض کیا ہوتی ہے تا غور کیا جا سکے کہ ان اغراض کے پورا کرنے میں میانہ روی کا پہلو کس مذہب نے اختیار کیا ہے قرآن کریم مذہب کی دو ہی غرضیں بتاتا ہے ایک حقوق اللہ کی بجا آوری اور دوسری حقوق العباد کی نگہداشت۔ اور دیگر مذاہب

بھی اس بات میں قرآن کریم کے مخالف نہیں پس ہم اس مقابلہ میں ان دونوں پہلوؤں کو لیتے ہیں۔

تعلق باللہ

اس مقابلہ میں سب سے پہلے ہم تعلق باللہ کو لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اسلام نے خدا تعالیٰ کے ساتھ بندوں کا تعلق قائم کرنیکے لیئے کیا تدبیر کی ہے مگر بیشتر اسکے کہ ہم ان تدابیر کو بیان کریں جو اسلام نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندوں کا تعلق قائم کرنیکے متعلق اختیار کی ہیں اس مضمون کو زیادہ سہل اور آسان کرنیکے لیئے ہمیں پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ انسان کے اندر وہ کونسی مخفی قوتیں ہیں جنکے ذریعہ سے اس کا کسی اور چیز سے قلبی تعلق قائم ہوتا ہے اور کسی اپنے سے برتر ہستی کی فرمانبرداری وہ کن قوتوں کے حکم کے ماتحت کرتا ہے سو یاد رہے کہ انسان کا تعلق قلبی کسی دوسری شئے سے صرف دو ہی جذبات کے نیچے ہوتا ہے یا محبت کی وجہ سے اور یا خوف کی وجہ سے جسقدر دوستیاں اور تعلقات ہیں ان سب پر غور کرکے دیکھ لو کہ انکی وجہ یا محبت ہے یا خوف یا تو ایک چیز سے انسان کو محبت پیدا ہو جاتی ہے اور اس محبت کی وجہ سے وہ اسکے ساتھ تعلق قائم کرتا ہے اسے دیکھکر خوش ہوتا ہے اسکی جدائی کو ناپسند کرتا ہی اسکے قریب ہونیکے لیئے کوشاں رہتا ہے حتیٰ کہ اپنے محبوب کے حق میں جو چیز مضر ہو یا جو اسے ناپسند ہو اس سے یہ بھی نفرت کرنے لگ جاتا ہے اور جو چیز یا جو کام اپنے محبوب کا پسندیدہ پائے یا اس سے اسے نفع پہنچتا دیکھے تو اسے خود بھی پسند کرنے لگتا ہے غرض محبت کی وجہ سے اپنے محبوب کی ہر پسندیدہ شے کو پسندیدہ اور ہر ناپسند شے کو ناپسند سمجھنے لگتا ہے اور محبت کی ترقی کے ساتھ اسکی حالت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ پھر اپنے محبوب کی رضا کو پورا کرنا اس کی طبیعت ثانی ہو جاتا ہے اور یہ ایسا خیال کرتا ہے کہ گویا بعض کام اسے خود طبعاً پسند ہیں اور بعض ناپسند لیکن درحقیقت ان کاموں سے نفرت یا انکی طرف رغبت اس محبوب کے خیالات کا عکس یا ظل ہوتی ہے اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ بعض تعلق صرف خوف کی وجہ سے ہوتے ہیں اور اگر خوف جاتا رہے تو فوراً وہ تعلق ٹوٹ جائے چنانچہ بعض لوگ بعض درندوں کو پالتے ہیں اور انکو سدھا لیتے ہیں لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ انکا تعلق ان درندوں سے صرف خوف کا ہوتا ہے اسی لیئے وہ انکے پاس جاتے ہوئے کوڑا یا تلوار رکھتے ہیں اور بارہا ایسا ہوا ہے کہ

قلبی تعلق کن دو جذبات سے پیدا ہوتا ہے

اگر کسی وقت وہ کوڑا یا تلوار بھول گئے اور وہ یونہی اس درندہ کے پاس چلے گئے تو اس نے انپر حملہ کردیا اور قتل یا زخمی کردیا یہی حال بعض درندہ طبع انسانوں کا ہوتا ہے کہ وہ بھی محبت اور پیار سے کبھی نہیں مانتے۔ بہت ہیں کہ وہ اپنے والدین تک کو کہ جنکے احسانات انسانوں میں سے سب سے زیادہ ہوتے ہیں زدوکوب کرتے ہیں اور ان سے سخت حقارت ونفرت کرتے ہیں اور بعض بالغ ہوکر انکی جائداد پر قبضہ کرنے کے لیئے انکو زہر تک دیدیتے ہیں لیکن یہی لوگ حکام وقت کے سامنے نہیں بولتے اور بظاہر انکی فرمانبرداری کرتے ہیں اور انکے سامنے ایسے ہوجاتے ہیں کہ جیسے کوئی شرمیلا بچہ ہوتا ہے۔ اور انکا تعلق اور فرمانبرداری صرف اس خوف کی وجہ سے ہوتی ہے کہ اگر ظاہر میں ہم نے قانون توڑدیا تو ہمیں سزا ملے گی ورنہ اگر حکام وقت اور حکومت ملک انکو صرف پیار اور محبت سے منوانا چاہے تو وہ ایک دن میں اس سے جدا ہوجائیں اور فوراً اسکا مقابلہ شروع کردیں غرض انسانی فطرت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلق دو وجہ سے ہوتے ہیں یا تو محبت سے یا خوف سے اسی طرح محبت کے اسبابوں کو جب ہم دیکھتے ہیں تو اسکے بھی دو سبب

محبت کے اسباب

معلوم ہوتے ہیں یا حسن یا احسان یعنی یا تو انسان کسی شئے سے اسلیئے محبت کرتا ہے کہ وہ اسے اچھی لگتی ہے اور خوبصورت معلوم ہوتی ہے خواہ شکل کے لحاظ سے خواہ اخلاق کے لحاظ سے خواہ علم کے لحاظ سے خواہ عقل کے لحاظ سے غرض کسی قسم کی خوبصورتی ہو بعض انسان اسپر فدا ہوتے ہیں سجے ہوئے مکان ۔ ۔ ۔ اور تصاویر اور سبزہ زار زمینیں اور بعض بے خوشبو کے خوش رنگ پھول اسی قسم کی اشیاء میں سے ہیں کہ جن سے انسان اسلیئے محبت کرتا ہے کہ وہ خوبصورت ہیں ورنہ ان سے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ انپر خرچ کرنا پڑتا ہے اسی طرح خوبصورت انسانوں سے لوگ محبت کرتے ہیں اور یہ خوبصورتی جیساکہ اوپر بیان ہوا کئی قسم کی ہوتی ہے کبھی تو انکی شکل خوبصورت ہوتی ہے اور کبھی انکے اخلاق اور انکا علم وعقل وغیرہا خصائل وقوتیں اچھی ہوتی ہیں اسلیئے ان سے لوگ محبت کرتے ہیں دوسرا اسباب محبت پیدا کرنے کا احسان ہوتا ہے اور بہت سے تعلقات محبت احسان کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں چنانچہ ماں باپ سے محبت کا ایک بڑا باعث انکی احسانات

بھی ہوتے ہیں جو وہ بچہ کے پیدا ہونے سے لیکر اسکے برسر کار ہونے تک اسپر کرتے ہیں اسی طرح ایک ملازم اپنے محسن آقا سے محبت کرتا ہے اور ایک آقا اپنے وفادار خادم سے محبت کرتا ہے اور وفا بھی ایک قسم احسان کا ہی ہوتی ہے کیونکہ وفا احسان کے بدلہ کا نام ہے اور احسان کا بدلہ سوائے احسان کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح خاوند اور بیوی کی محبت ہوتی ہے کہ وہ بھی حُسن و احسان دونوں ذرائع سے پیدا ہوتی ہے غرض جسقدر محبت کے تعلقات ہوتے ہیں وہ سب کے سب حسن اور احسان سے متفرع ہوتے ہیں چنانچہ بھائیوں کی محبت بھی انہی دو ذرائع سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ یہ محبت طفیلی ہوتی ہے اور در اصل اس کا باعث وہ تعلق ہے جو اولاد کو ماں باپ سے ہوتا ہے اور چونکہ بھائی بہن ایک محبوب کے محبوب بلکہ جزو بدن ہوتے ہیں اسلیئے بالطبع ایک بھائی دوسرے بھائی یا بہن سے محبت کرتا ہے اور بہت دفعہ نہیں جانتا کہ اس محبت کا باعث کیا ہے۔ غرض محبت کا باعث یا تو حُسن ہوتا ہے یا احسان۔ اور احسان کا تعلق پھر دو قسم پر منقسم ہے یا تو کسی کے احسان کی وجہ سے ایک شخص سے محبت کیجاتی ہے یا اپنی محسن طبیعت کی وجہ سے کوئی شخص دوسرے سے محبت کرتا ہے اور یہ محبت رأفت و شفقت ہوتی ہے جو اسکی اپنی محسن طبیعت کا نتیجہ ہوتی ہے جب ہم انسانی فطرت کا اور بھی گہرا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بعض آدمیوں کے اندر تو یہ تینوں خاصے پائے جاتے ہیں یعنی انکے تعلقات تینوں قسم کے ہوتے ہیں بعض خوف سے بعض محبت حسن سے بعض محبت احسان سے لیکن بعض کے اندر ان تینوں خاصوں میں سے ایک یا دو بعض وجوہ سے تلف بھی ہو جاتے ہیں یعنی وہ صرف حسن یا صرف احسان یا صرف خوف کے جذبات سے تعلق رکھتے ہیں اور دوسرے جذبہ کا ہیجان انکے اندر نہیں ہوتا بہت سے لوگ ایسے دیکھے جائینگے کہ جبتک محبت سے انسے کام لیتے رہو وہ خوشی سے کرینگے ذرا اپنر سختی کرو یا رعب بٹھاؤ وہ فوراً مقابلہ کیلیئے کھڑے ہو جائینگے بعض لوگ محبت کے دونوں بواعث۔ یعنی حُسن یا احسان کی ذرہ بھر بھی پروا نہ کرینگے لیکن خوف سے فوراً مطیع ہو جائینگے۔

انسانی فطرت کے اس مطالعہ کے بعد ہمیں لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہی تعلیم

ہر ایک زمانہ اور ہر ایک ملک اور ہر ایک انسان کے لیئے مفید ہو سکتی ہے جسمیں ان تینوں جذبات کو ہیجان میں لاکر تعلق پیدا کرنے کی صورت کیجائے اور اگر کوئی مذہب ایسا ہے جو صرف خدائے تعالیٰ کے حسن پر زور دیتا ہے اور ایسی محبت کی طرف انسان کو بلاتا ہے جس کا باعث کوئی خواہش یا طلب انعام نہ ہو اور کسی بدلہ کی امید جسکے ساتھ نہ ہو تو وہ ایک انسانی گروہ کا تو لحاظ کر لیتا ہے لیکن دُو دوسرے گروہوں کو جو احسان یا خوف کے بغیر تعلق نہیں پیدا کرتے اور نیک یا بد کسی نہ کسی سبب سے انکے اندر وہ جذبہ مر گیا ہے جو صرف حسن سے محبت کو جوش میں لاتا اور اس طرح تعلق پیدا کراتا ہے تو ایسے لوگ اس مذہب کے ذریعہ سے ہرگز خدائے تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتے اور ضرور ہے کہ انکی طبیعت اپنا علاج نہ پاکر دین سے بیزار ہو جائے اور اس طرح ہمیشہ کی ہلاکت میں گر جائے اسی طرح اگر کوئی مذہب صرف احسان پر زور دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کی طرف متوجہ کرکے اس کا تعلق اس سے قائم کرنا چاہتا ہے جو وہ اپنے سے تعلق رکھنے والوں کو دیتا ہے تو یہ مذہب بھی ایک طرف جھک جاتا ہے اور میانہ روی کو ترک کر دیتا ہے اور وہ طبائع جو حُسن و خوف سے تعلق پیدا کیا کرتی ہیں انکی بیماری کا علاج اس مذہب میں نہیں اور ایسی تمام طبائع اس مذہب کے ذریعہ سے خدائے تعالیٰ تک نہیں لائی جا سکتیں اسی طرح اگر کوئی مذہب خوفِ خدا پر ہی زور دیتا ہے اور اسے ایسی بھیانک شکل میں دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے کہ اس سے قطعاً کسی بخشش اور رحم کی امید نہیں تو بے شک وہ لوگ جو خوف کا اثر اپنے دل میں قبول کرتے ہیں اس مذہب کے ذریعہ سے کچھ فائدہ اُٹھائیں تو اُٹھائیں لیکن وہ طبائع جو محبت سے تعلق پیدا کرنیکی عادی ہیں کبھی اس مذہب سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتیں اور جو لوگ خوف سے تعلق پیدا کرتے ہیں انکا تعلق درحقیقت ایک عارضی تعلق ہوتا ہے اور ان انعامات کا ہرگز مستحق نہیں بناتا جن کا مستحق تعلق محبت بناتا ہے پس وہ مذہب جو خدا محبت ہے کہکر دنیا کی اصلاح کرنا چاہتا ہے اور صرف ایک عقیدہ پر ایمان لانے پر نجات کو منحصر کرتا ہے اور اعمال کے پہلو کو بالکل بھلا دیتا ہے۔ کبھی کل بنی نوع انسان کے لیئے کافی نہیں ہو سکتا کیونکہ بہت ہیں جو صرف ایمان پر اپنا مدار رکھکر اپنی خونی طبیعت کے نیچے دب جائینگے اور خدا کی محبت خواہ کیسے ہی اعلیٰ

اسلام میں ہرایک طبیعت کے انسان کا علاج موجود ہے

سے اعلیٰ رنگ میں انکے سامنے پیش کیجائے وہ اس سے متاثر نہ ہونگے اور اسی طرح خدا سے دُور جا پڑینگے جیسے کہ وہ بدبخت جو اپنے ماں باپ کے احسانات کو دیکھتے ہوئے پھر ان کے خلاف بغاوت کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ مذہب جو کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ ایسا یکطرفہ معاملہ کرتا ہے کہ اس نے اپنا تمام تعلق ایک قوم سے مخصوص کر دیا ہے اور اسکے سب چیدہ انعامات صرف ایک خاص نسل کے ساتھ وابستہ ہونے پڑ ملتے ہیں کبھی سب دنیا کی اصلاح کرنے والا مذہب نہیں ہوسکتا کیونکہ ایسا مذہب خدائے تعالیٰ کے متعلق انسانوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرتا ہے نہ محبت۔ پھر اسی طرح وہ مذہب جو خدائے تعالیٰ کے متعلق یہ عقیدہ پیش کرتا ہے کہ وہ کبھی کوئی گنہ نہیں بخشتا اور نہ بخش سکتا ہے وہ گو زبان سے اسے باپ یا ماں یا اس سے بھی زیادہ مہربان کہے لیکن ایسا مذہب اس خالق فطرت کی طرف سے نہیں ہوسکتا جس نے انسانوں کے دلوں میں بھی ایسا رحم پیدا کیا ہے کہ وہ اپنے گنہ گاروں کو بخشتے ہیں حالانکہ انکے دشمنوں نے انکا فی الواقعہ نقصان کیا ہوتا ہے لیکن کسی انسان کے کسی فعل سے خدائے تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اسی طرح وہ مذہب جو کہتا ہے کہ خدائے تعالیٰ انسان کے گناہوں میں سے نجات دیتے وقت بعض گناہ رکھ لیتا ہے اور انکی سزا میں پھر اسے دار العمل کی طرف واپس کرتا ہے کبھی خدائے تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کا باعث نہیں ہوسکتا کیونکہ اس عقیدہ سے خدائے تعالیٰ سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور ساتھ ہی مایوسی پیدا ہو کر انسان گناہوں پہ اور بھی دلیر ہو جاتا ہے پس درحقیقت وہی مذہب تمام دنیا کے لیئے ہوسکتا ہے جو ان تمام باتوں میں میانہ روی اختیار کرتا ہے اور ایک طرف تو خدائے تعالیٰ کا حُسن پیش کر کے دنیا سے محبت کا خراج لیتا ہے اور اسکے احسانات قدیم و جدید یاد دلا کر اسکے جذبۂ محبت کو اُبھارتا ہے۔ اور دوسری طرف اسکی عظمت اسکے جبروت اسکی بدیوں سے نفرت کا نقشہ کھینچکر اسے اس سے تعلق پیدا کرنے پر مجبور کرتا ہے اور یہ مذہب صرف اسلام ہی ہے چنانچہ قرآن کریم کی سب سے پہلی سورۃ میں جسے مسلمان ہر نماز میں پڑھتے ہیں اسی مضمون کو ادا کر کے ہر طبیعت کے انسان کا علاج کیا گیا ہے چنانچہ اسمیں اللہ تعالیٰ بندہ کی طرف سے حکایۃً فرماتا ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ا لحمد للہ رب العلمین الرحمٰن الرحیم

ملک یوم الدین ایاك نعبد و ایاك نستعین یعنی میں شروع کرتا ہوں خدا کا نام لیکر جو رحمٰن ہے رحیم ہے سب خوبیاں اور سب حسن اور سب خوبصورتیاں جو کسی تعریف کی مستحق ہیں اور انسان کے دل سے کسی چیز کی تعریف نکلوا سکتی ہیں وہ سب کی سب خدائے تعالیٰ میں جمع ہیں پھر وہ صرف حسین ہی نہیں بلکہ محسن بھی ہے وہ رب ہے تمام جہانوں کا کہ اس نے تمام مادہ اور ارواح پیدا کی ہیں اور پھر انکی انفرادی یا اجتماعی حالتوں میں انکی خبر گیری کرتا ہے اور ہر ایک قسم کی تربیت کر کے انکی طاقتوں اور قوتوں کو نشو و نما دیکر کمال تک پہنچاتا ہے وہ ایسا مہربان ہے کہ خدمت کا بدلہ ہی نہیں دیتا بلکہ بلا کسی کام یا خدمت کے اپنے پاس سے بھی بندہ پر اپنے فضل کی بارش کرتا ہے اور اسی پر بس نہیں جو لوگ ان فضلوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں جو اسکی طرف سے ملتے ہیں اور انکو صحیح طور پر اور ایسے موقع پر استعمال کرتے ہیں جہاں انکا استعمال کرنا مناسب ہے تو وہ اس فعل پر اور بھی فضلوں کی بارش کرتا ہے اور جسقدر انسان کام کرے اس کا بدلہ دیکر پھر زائد انعام دیتا ہے اور وہ جزا و سزا کے دن کا مالک ہے یعنی نہ صرف یہی کہ وہ نہایت حسین اور محسن ہے بلکہ انسان کے تمام افعال کا ایک وقت مقررہ پر وہ جائزہ بھی لیتا ہے اور پھر اپنے مالکانہ اقتدار کے ساتھ نیک کو انعام اور شریر کو سزا دیتا ہے اس دنیا میں بھی اور اگلے جہان میں بھی۔ مالک کے لفظ میں یہ اشارہ فرمایا ہے کہ اس کا انعام بھی بڑا ہوتا ہے اور اسکی سزا بھی سخت ہوتی ہے کیونکہ جو مالک نہ ہو اسکی سزا سے انسان بچ جاتا ہے جیسا کہ بادشاہ کسی کو سزا دینے لگیں اور وہ مر جائے یا کسی تکلیف کے عذاب کے خیال سے خودکشی کر لے تو اس بادشاہ کی سزا سے وہ بچ جائے گا لیکن فرمایا کہ ہم مالکانہ اقتدار رکھتے ہیں اور ہمارے قبضہ سے نکل جانا کسی کی طاقت میں نہیں پس اگر تمھارے لیئے کوئی اور بات ہم سے تعلق پیدا کرنے کا باعث نہیں ہو سکتی تو اس بات کا خیال رکھو کہ ہم حکم عدولی پر سزا بھی سخت دیتے ہیں چنانچہ آگے فرمایا ایاك نعبد و ایاك نستعین یعنی بندہ جب ان تمام صفات پر غور کرتا ہے تو خواہ کسی خیال اور کسی طبیعت کا انسان ہو حسن پر شیدا ہو جانے والا ہو یا احسان پر یا خوف سے ماننے والا ہو وہ اپنی طبیعت

کے مطابق سورۂ فاتحہ میں علاج پا لیتا ہے اور بے اختیار ہو کر کہہ اُٹھتا ہے کہ اے خدا مَیں تیری ہی فرمانبرداری کرتا ہوں یعنی جب وہ سب باتیں جن کی وجہ سے کسی ہستی سے محبت اور پیار کیا جاتا ہے تجھ میں پائی جاتی ہیں تو پھر تیرے سوا اور کس سے مَیں تعلق پیدا کر سکتا ہوں - ان الفاظ میں یہ بتایا گیا ہے کہ مومن جب کامل تعلق اللہ تعالیٰ سے پیدا کر لیتا ہے تو اسکی محبت اور خوف دونوں اسی سے وابستہ ہو جاتے ہیں اور آئندہ نہ محبت میں نہ خوف میں خدائے تعالیٰ کا شریک کسی کو نہیں کرتا اگر وہ کسی چیز سے محبت کرتا ہے تو خدا کے لیئے اور خدا میں ہو کر اور اگر وہ خوف کرتا ہے تو خدا کے حکم سے اور انہی سے جنکی نافرمانی سے بچنے کا اس نے حکم دیا ہے۔ اور چونکہ جب ان صفات کاملہ پر انسان غور کرے تو وہ محبت یا خوف کی وجہ سے بے اختیار ہو جاتا ہے اور محبت و خوف اسپر اسقدر حاوی ہو جاتے ہیں کہ وہ اب اپنی ذات کو حقیر اور اللہ تعالیٰ کے سامنے بالکل بے جان خیال کرتا ہے اسلیئے اس خیال کی ترجمانی کرنیکے لیئے ساتھ ہی فرما دیا کہ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن یعنی آپکے اس حسن اور احسان اور اس طاقت و جلال کو معلوم کر کے ہم اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کر سکتے کہ وہ ان لوازمات محبت اور تعلقات خوف کو پورا کر سکے گا جو آپکے ساتھ تعلق میں ضروری ہیں اسلیئے ہم آپ سے ہی مدد مانگتے ہیں کہ اس تعلق کو نباہنے کی ہمیں طاقت دیں - غرض ان مختصر الفاظ میں خدائے تعالیٰ کے حسن اور احسان اور اسکے جلال کا ایسا نقشہ کھینچ دیا ہے کہ کسی ملک کسی قوم کسی تہذیب اور کسی زمانہ کے لوگ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اور ہر ایک انسان جب اللہ تعالیٰ کی صفات کا مطالعہ ان آیات پر نظر ڈالکر کرتا ہے جو ابھی بیان ہوئیں تو اس کا قلب اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

خوف سے تعلق کو کامل بنانے کا طریق

اسجگہ ضمنی طور پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ گو خوف بھی ایک ذریعۂ تعلق ہے لیکن یہ ذریعۂ تعلق نہایت ادنیٰ ہے کیونکہ خوف کا تعلق حقیقی تعلق نہیں ہوتا مگر اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ بعض طبائع خوف کے بغیر تعلق پیدا نہیں کرتیں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے پس اس تعلق کو کامل کرنیکا بھی ایک طریق قرآن کریم نے بتایا ہے اور خوف سے تعلق پیدا

کرنا صرف ابتدائی ذریعہ رکھا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض بچے جب سکول نہیں جاتے یا اور بعض فرائض ادا نہیں کرتے تو انکے والدین جب معلوم کر لیتے ہیں کہ ہماری محبت اور ہمارا احسان انکی بگڑی ہوئی طبیعت کی اصلاح نہیں کر سکتے تو وہ سختی سے کام لیکر انکو مدرسہ میں بھیجتے ہیں اور کچھ مدّت تک تو وہ اس ڈر اور خوف سے جو انکے والدین انکے دل میں پیدا کرتے ہیں مدرسہ جاتے رہتے ہیں لیکن اگر کوئی مہربان مدرس ہو تو وہ چند ہی دنوں میں انکے دلوں میں اپنی محبت پیدا کر لیتا ہے اور پھر وہ خوف مبدل بہ محبت ہو جاتا ہے اور گو انکے سکول میں جانے کی ابتدا خوف سے ہوئی تھی لیکن بعد میں خوف کی جگہ محبت اور ڈر کی جگہ پیار لے لیتا ہے اور اس طرح ان ناقص نتائج کا جو ایسی تعلیم سے نکلنے تھے جس کا محرک صرف خوف تھا اندیشہ جاتا رہتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح خدائے تعالیٰ بھی اپنے بندے سے سلوک کرتا ہے اور گو تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیئے اور ان طبائع کو ہلاکت سے بچانیکے لیئے جو بعض کمزوریوں کی وجہ سے ایسی مسخ ہو جاتی ہیں کہ صرف خوف سے ہی قریب آسکتی ہیں اس شہنشاہ ارض وسماء کا جلال اور اسکی گرفت کی سختی بھی انسان کو یاد کرائی گئی ہے لیکن اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے ورحمتی وسعت کلّ شیءٍ ٭ میری رحمت اور میری بخشش ہر ایک چیز پر حاوی ہے۔ اب اس آیت کے مضمون کو اُس آیت کے مضمون سے ملا کر دیکھو تو معلوم ہو جائیگا کہ خوف صرف ایک ابتدائی ذریعہ رکھا گیا ہے ورنہ جب کوئی شخص خوف سے اللہ تعالیٰ کی طرف آتا ہے تو وہ اپنی رحمت کی اسقدر بارش اسپر کرتا ہے اور اپنے افضال کے اتنے چھینٹے اسے دیتا ہے کہ گو اس کا بندہ اپنے تعلق کی بنا خوف پر ہی رکھے جاتا ہے لیکن آخر اُسکے دل کی سختی دور ہو جاتی ہے اور وہ آہستہ آہستہ پہلے خدائے تعالیٰ کے احسان اور پھر اسکے حسن کا ادراک اپنے دل میں پاتا ہے اور خوف کا تعلق محبت کے تعلق سے بدل جاتا ہے اور اس کا دل خدائے تعالیٰ کے خوف سے پُر ہونیکی بجائے اس کی رحمت کی یاد سے پُر ہو جاتا ہے اور آخر رحمت ہی رحمت رہ جاتی ہے اور محبت ہی محبت جلوہ گر ہو جاتی ہے اور اگر خوف باقی رہتا ہے تو صرف اس بات کا کہ کہیں کسی فعل کی وجہ سے اس محبوب یکتا سے جدائی نہ ہو جائے۔

٭ سورۃ اعراف رکوع ۱۹

تعلق باللہ کیلئے جن تدابیر سے اسلام نے کام لیا ہے دوسرے مذاہب اسکی نظیر لانے سے قاصر ہیں

یہ مضمون جو اوپر بیان ہُوا ان تدابیر کو ظاہر کرتا ہے جو اسلام نے اللہ تعالیٰ سے بندے کا تعلق پیدا کرنے اور پھر اسے مضبوط کرنے کے لیئے کی ہیں اور ہر ایک شخص ایک ذرا سے غور سے معلوم کرسکتا ہے کہ کس طرح ان تدابیر میں میانہ روی سے کام لیا گیا ہے اور تمام وہ پہلو مدّنظر رکھے گئے ہیں جن کے ذریعہ سے انسان کا تعلق خدائے تعالیٰ سے قائم ہوسکتا ہے۔ لیکن اسکے مقابلہ میں جو تعلیم دوسرے مذاہب نے پیش کی ہے وہ ایسی وسیع اور تمام طبائع کے مطابق نہیں مثلاً یہودیت نے خدائے تعالیٰ کو نہایت ہیبت ناک شکل میں پیش کیا ہے اور اسکے غضب اور انتقام کی خواہش پر بہت زور دیا ہے جس کی یہ وجہ تھی کہ بنی اسرائیل فرعون کی ماتحتی میں رہکر جو ایک ظالم بادشاہ تھا اس بات کے عادی ہوگئے تھے کہ خوف اور ظلم سے ہی بات مانتے تھے پس انپر خدائے تعالیٰ کا جلوہ گرجوں اور زلزلوں کے رنگ میں ہُوا لیکن آہستہ آہستہ ان کی طبیعت کی اصلاح ہوگئی اور کچھ مُدّت کے بعد تو ان خیالات نے انپر حد سے زیادہ تصرف کرلیا پس ضرورت تھی کہ اسوقت کے حالات کے ماتحت حضرت مسیح محبت کا پیام لاتے اور روح القدس کبوتری جیسے نرم طبیعت اور حلیم جانور کی شکل میں ظاہر ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی محبت پر زور دیا جاتا تا اُن غلط خیالات کی اصلاح ہو جو خدائے تعالیٰ کی سخت گیری اور منتقم طبیعت کے متعلق انکے اندر پھیل گئے تھے چنانچہ اسوقت کے نقص کا علاج اسی طرح کیا گیا لیکن جب ایک مدت کے بعد مسیحیوں کا میلان بالکل دوسری طرف ہوگیا اور وہ اعمال سے غافل ہونے لگے تو پھر ایک اور شریعت کی ضرورت ہوئی اور یہی حال دیگر مذاہب کا ہے کہ انمیں سے کسی مذہب میں ضرورةً خدائے تعالیٰ کے غضب اور انتقام کی صفات پر زور دیا گیا ہے اور کسی میں اسکی محبت اور پیار پر اور چونکہ یہ تمام تعلیمیں وقتی تھیں جب حالات بدل گئے تو بجائے نفع رسانی کے نقصان دہ ہوگئیں اور اب چونکہ وہ وقت آگیا تھا جسے اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ نے ایک کامل اور عالمگیر مذہب کے لیئے پسند فرمایا تھا اسلیئے نبیوں کے سردار اور نیکوں کے پیشوا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ وحی نازل کیگئی جو ایسی جامع اور مانع تھی کہ کسی طبیعت اور کسی تعلیم اور کسی تہذیب کے آدمیوں کی ضرورت اسمیں نظر انداز نہیں کی گئی اور نہ کوئی غیر ضروری اور وقتی بات اسمیں داخل کی گئی پس ہم ان نادانوں کی طرح جو اپنے خبث کا اظہار خدائے تعالیٰ

کے پاک بندوں کو گالیاں دیکر کرتے ہیں یہ نہیں کہتے کہ اسلام سے پہلے کے سب مذاہب جھوٹے تھے بلکہ ہم انکو سچا تسلیم کرتے ہیں ہاں واقعات اور حق کی محبت ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم اس بات کو تسلیم کریں کہ جو جامعیت اسلام میں ہے وہ کسی اور مذہب میں نہیں اور یہ کہ اسلام کے آنے کے بعد اب اور کسی مذہب کی ضرورت نہیں ان مذاہب نے خدائے تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنیکے لیئے جو تدبیر اختیار کی تھی وہ اپنے وقت کے مطابق درست تھی لیکن اب اس زمانہ میں جبکہ تمدّن کی ترقی نے سب دنیا کو ایک کر دیا ہے اور انسانی علوم بہت ترقی کر چکے ہیں وہ انسان کی ہدایت کے لیئے کافی نہیں ہو سکتی اور اسوقت صرف اسلام ہی ہے جو اپنی بے عیب تعلیم کی وجہ سے تمام دنیا کی ہدایت کر سکتا ہے اور جس کی تعلیم کسی خاص بات پر زور نہیں دیتی بلکہ تمام ضروری ہدایتوں کو کھولتی اور شرح کرتی ہے مختلف مذاہب اپنے اندر مختلف صداقتیں رکھتے ہیں لیکن کوئی ایسا مذہب نہیں جو یکجائی طور پر ان تمام خوبیوں کا جامع ہو جو اسلام کے اندر پائی جاتی ہیں پس آج روئے زمین پر سوائے اسلام کے اور کوئی ایسا مذہب نہیں جو انسان کا تعلق خدائے تعالیٰ سے پیدا کرا سکے اور اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے کامل شریعت بھیجدی ہے تو اس نے اپنی رضا کے اظہار کے لیئے اسلام کے سوا اور تمام دروازے بند کر دیئے ہیں اور کوئی شخص اب خدائے تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا جبتک کہ اسلام کا جوا اپنی گردن پر نہ اٹھائے - افسوس ہے کہ قلت وقت کی وجہ سے اس موضوع پر بالتفصیل بحث نہیں ہو سکتی ورنہ اور بہت سی مثالوں کے ساتھ بتایا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنیکے لیئے اسلام نے کونسی ایسی تدابیر اختیار کی ہیں کہ جنکی نظیر لانے سے اور سب مذاہب قاصر ہیں -

دوسرا حصہ شفقت علیٰ خلق اللہ

جیسا کہ میں اوپر بتا آیا ہوں اللہ تعالیٰ سے بندے کا تعلق قائم کرنیکے علاوہ مذہب کا ایک اور بھی کام ہے اور وہ اپنے پیروان کو شفقت علیٰ خلق اللہ کی تعلیم دینا ہے چنانچہ پہلے حصہ سے فارغ ہو کر میں اسکے متعلق اسلام کی تعلیم بیان کرتا ہوں -
شفقت علیٰ خلق اللہ کے مضمون کے بڑے بڑے حصّے تین ہیں اوّل انسان کا معاملہ

اپنے نفس سے۔ دوم انسان کا معاملہ دوسرے انسانوں سے۔ سوم انسان کا معاملہ دوسرے حیوانوں سے۔ چنانچہ ان تینوں حصوں میں سے سب سے پہلے میں اس مضمون پر کچھ بیان کرتا ہوں کہ اسلام نے انسان کو اپنے نفس کے ساتھ کیسا معاملہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

انسان کا معاملہ اپنے نفس سے

مختلف مذاہب نے بنی نوع انسان کے آپس کے سلوک کے متعلق تو بہت کچھ کہا ہے لیکن اسکے متعلق کہ انسان کو اپنے نفس کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیئے بہت کم مذاہب میں کوئی تعلیم پائی جائیگی سوائے اسلام کے کہ اس نے اس امر پر بھی نہایت تشریح کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور علاوہ ان روحانی طریقوں کے بتانے کے جن کے ذریعہ انسان خدائے تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے انسان کو اس بات کی طرف بھی متوجہ فرمایا ہے کہ اسے اپنے نفس کے ساتھ کیسا معاملہ کرنا چاہیئے۔ اور یہ مسئلہ ایسا ضروری اور زبردست ہے کہ اسپر روشنی ڈالے بغیر کوئی مذہب کامل نہیں ہوسکتا کیونکہ جبتک انسان کو یہ نہ بتایا جائے کہ وہ اپنے نفس سے کیسا معاملہ کرے تب تک اسکی کامل طور پر اصلاح نہیں ہوسکتی کیونکہ جسم کا روح پر بڑا اثر پڑتا ہے اور جسم کی مختلف حالتوں سے روح متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کسی شخص کے جسم پر چوٹ آئے تو اس کی روح کو بھی اس سے سخت صدمہ پہنچتا ہے اور انسان کا دل مغموم ہو جاتا ہے اور بارہا ایسا ہوتا ہے کہ کسی سخت چوٹ سے انسان کے حواس میں فرق آجاتا ہے اور کبھی سخت غم کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بدن گھلنے لگتا ہے اور انسان چند گھنٹوں کے اندر ضعیف ہو جاتا ہے چنانچہ ایسے بہت سے واقعات ہوئے ہیں کہ کسی شخص کو کوئی سخت صدمہ پہنچا تو چند گھنٹوں یا چند دنوں کے اندر اسکے بال سفید ہوگئے غرض ہمارا تجربہ ہمیں بتاتا ہے کہ جسم و روح کو خدائے تعالیٰ نے ایسا ایک دوسرے سے پیوستہ کیا ہے کہ ایک کا اثر دوسرے پر فوراً پڑتا ہے پس جبکہ جسم و روح کے قرب کی یہ حالت ہے تو ضرور ہے کہ جو حالت جسم کی ہوگی وہی حالت روحانی ترقیات کی ہوگی اور جو مذہب کہ انسان کو یہ نہیں بتاتا کہ اسے اپنے جسم کے ساتھ کیسا معاملہ کرنا چاہیئے وہ درحقیقت انسان کو منجدھار میں چھوڑ دیتا ہے کہ تا ہلاک ہو اور جو مذہب اسکے متعلق

ادھوری تعلیم دیتا ہے وہ بھی کسی خاص حالت میں تو درست ہو سکتی ہے لیکن ہر انسان کیلئے نہیں بلکہ اغلب ہے کہ بہتوں کی ہلاکت کا باعث ہو۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مذاہب کی یہ تعلیم ہے کہ جسم کو جسقدر بھی دکھ دیا جائے اسی قدر روحانیت میں ترقی ہوتی ہے اس تعلیم کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ انکے پیروان اپنے پورے زور سے اپنی جسمانی طاقتوں کو توڑنے کی کوشش کرتے ہیں اور ایسے ذرائع استعمال کرتے ہیں کہ جنکے ذریعہ سے وہ اپنے جسم کو بالکل تباہ کردیں چنانچہ بعض لوگ گرمی کے دنوں میں ہر وقت آگ کا الاؤ لگا کر اسکے اندر بیٹھے رہتے ہیں اور اس طرح اپنے جسم کی تمام طاقتوں کو اپنے ہاتھوں سے زائل کر دیتے ہیں اسیطرح سردی میں ٹھنڈی پانی میں کھڑے رہتے ہیں بعض سورج کے نکلتے ہی اسکی طرف آنکھیں کر کے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اسکے ڈوبنے کے وقت تک اسکی طرف ٹکٹکی لگا کر کھڑے رہتے ہیں اور اس طرح اس منوّر دن کو جو خدائے تعالیٰ نے کام کرنے کے لیئے پیدا کیا ہے ضائع کر دیتے ہیں بعض اور ہر وقت ٹانگیں اوپر کر کے اور سر نیچے کر کے لٹکے رہتے ہیں اور اسی کو بڑی خوبی خیال کرتے ہیں بعض اپنے آپ کو خصی کر کے انسانیت کے دائرہ سے باہر نکال دیتے ہیں بعض نفس کُشی کے نام سے ہر قسم کی طیبات سے پرہیز کرتے ہیں اور کُل لطیف غذائیں ترک کر دیتے ہیں اور اگر کوئی لطیف شے کھاتے بھی ہیں تو اسکے اندر کچھ ایسی چیز ملا دیتے ہیں جیسے راکھ وغیرہ اور اس طرح اپنا نفس مارتے ہیں بعض لوگ ہر وقت خاموش رہتے ہیں اور اس طرح خدائے تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں بعض نجاستیں کھا لیتے ہیں بعض مردہ انسان کا گوشت کھاتے ہیں بعض ہر روز روزہ رکھتے ہیں بعض لوگ یہ نیت کر لیتے ہیں کہ ساری عمر شادی نہیں کرینگے اور بہت سے مرد اور عورتیں اپنی عمریں اسی طرح گذار دیتے ہیں بعض لوگ نہانا اور ناخن کتروانا وغیرہ صفائی کے کام چھوڑ دیتے ہیں غرض اس قسم کے سینکڑوں کام ہیں جو مختلف مذاہب میں بتلائے گئے ہیں اور انہیں پسند کیا جاتا ہے اور انکے کرنیوالوں کو خدائے تعالیٰ کا برگزیدہ اور پیارا انسان سمجھا جاتا ہے لیکن درحقیقت یہ ایک ظلم ہے جو یہ لوگ اپنی جان سے کرتے ہیں اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں جبکہ خدائے تعالیٰ نے ہاتھ پکڑنے کے لیئے اور زبان بولنے کے لیئے اور آنکھیں دیکھنے کے لیئے اور پاؤں چلنے کیلئے دیئے ہیں اور یہ اعضاء اسکے انعامات میں سے ہیں تو کیسا قابل ملامت ہے

جو کوئی خدا کی نعمت کو رد کرتا ہے وہ کبھی اسکا پسندیدہ نہیں ہوتا

وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کو ضائع کر دیتا ہے اور اُنکی قدر نہیں کرتا ایسا شخص تو اللہ تعالیٰ کی ہتک کرتا ہے کیونکہ اسکی دی ہوئی نعمت کو حقارت سے پھینکدیتا ہے کہ مَیں نہیں لیتا اور خود اپنے نفس پر بھی ظلم ہے کہ اسے بے وجہ اور بے فائدہ ایسی تکالیف دیجاتی ہیں کہ جنکا کوئی فائدہ نہیں اسی طرح جو لوگ ساری عمر بغیر شادی کے رہنے کا عہد کرتے ہیں یا ان طاقتوں کو ضائع کر دیتے ہیں جن سے نسل انسانی چلتی ہے وہ اپنے نفوس پر ظلم کرتے ہیں کہ انہیں ان پاک جذبات سے روکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انکے اندر رکھے تھے ایسے فعل کبھی خدائے تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہو سکتے اسی طرح جو لوگ طیبات کو چھوڑ دیتے ہیں یا نجاستوں کا استعمال کرتے ہیں وہ بھی اپنے نفس پر ایسا ظلم کرتے ہیں کہ جسکی کوئی انتہا نہیں اور یہ سب لوگ اپنے آپ کو ایسے حالات میں ڈالدیتے ہیں کہ جن سے اکثر بجائے شیطان سے بچنے کے وہ شیطان کے پھندے میں پھنس جاتے ہیں کیونکہ جو شخص اپنے جسم کو سخت صدمہ پُہنچاتا ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلیگا کہ اسکی روح کو بھی اس سے صدمہ پُہنچ جائیگا اور یا تو اسکے دماغ میں بلادت پیدا ہو جائیگی کہ وہ باریک مسائل کو سمجھ ہی نہیں سکیگا اور یا جنون کا کوئی شعبہ اسکے اندر پیدا ہو جائیگا جس کی وجہ سے وہ ان انعامات سے قطعی محروم ہو جائیگا جو خدائے تعالیٰ کی عبادت کرنیوالوں کے لیئے مقرر ہیں چنانچہ خدائے تعالیٰ کے جسقدر برگزیدے دنیا میں گذرے ہیں انکی نسبت صحیح تواریخ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ انمیں سے ایک نے بھی اپنی طاقتوں کو اس طرح ضائع کر دیا ہو ہاں ممکن ہے کہ انہوں نے بعض لوگوں کے اندر جذبات کا سخت جوش دیکھکر انکے جوش کے کم کرنیکی وقتی ضرورت دیکھکر انکو بعض ایسی سخت ریاضتیں کرنیکا حکم دیدیا ہو لیکن ایک عالمگیر مذہب میں کسی ایسی تعلیم کا گذر نہیں ہو سکتا کیونکہ اس تعلیم کا پھیلانا نوع انسان کو ان تمام ترقیات سے محروم کر دینا ہے جو وہ ان علوم کے ذریعہ سے کر رہی ہے جو خدائے تعالیٰ نے اسے عنایت فرمائے ہیں ذرہ خیال تو کرو کہ اگر کسی ملک کے سب لوگ سب کچھ چھوڑ کر درختوں میں رسیاں ڈالکر اُلٹے لٹکنے لگ جائیں یا جنگل کاٹ کاٹ کر اپنے ارد گرد آگ کے الاؤ لگاؤ لگا کر سب اسکے اندر بیٹھ جائیں یا سب مرد و عورت یہ عہد کر لیں کہ فلاں اوتار یا نبی کی خاطر ساری عمر مجرد رہیں گے اور نکاح نہ کرینگے تو اس قوم یا اس ملک کا کیا حشر ہوگا کیا اسمیں کوئی شک ہے

کہ چند ہی سال میں وہ ملک برباد ہو جائیگا اور انسانوں کی بجائے درندہ اسکے شہروں میں بسیرا کرینگے اگر اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر ایسے جذبات نہ رکھے ہوئے ہوتے جو انسان کو ان ریاضتوں سے روکتے ہیں تو شاید بہت سی قومیں ایسے تجربوں کے ذریعہ ہلاک ہو جاتیں مگر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے اپنے بندوں کی حفاظت کے لیئے خود انکے اندر ہی ایسے سامان پیدا کر دیئے ہیں جو اکثروں کو ہلاک ہونے سے بچا لیتے ہیں۔

علاوہ اسکے کہ انسان کا اپنے نفس سے وہ معاملہ کرنا جو اوپر بیان ہُوا ایک ظلم عظیم ہے اور سوسائٹی کے حقوق کا اتلاف ہے بلکہ خدائے تعالیٰ کی نعمتوں کا رد کرنا ہے اس قسم کی ریاضتوں کا یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ نفس انسانی ایسا کمزور ہو جاتا ہے کہ اسکے اندر بدخیالات کا مقابلہ کرنیکی طاقت نہیں رہتی چنانچہ یہ ایک ثابت شدہ امر ہے کہ جب انسان کمزور ہو جاتا ہے تو وہ اپنے خیالات و توہمات کا جلد شکار ہو جاتا ہے پس ایسی ریاضتوں کے ذریعہ سے جسم کی طاقت کو توڑ دینے کا نتیجہ بہت دفعہ یہی نکلتا ہے کہ انسان بجائے گناہ سے بچنے کے گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جس اژدہا سے بھاگنا چاہتا تھا اسی کے منہ میں چلا جاتا ہے اور جو لوگ اپنے آپ کو ان نعماء سے کلی روکنا چاہتے ہیں جو خدائے تعالیٰ نے انسان کے استعمال کے لیئے پیدا کی ہیں وہ حلال ذرائع سے تو محروم ہو جاتے ہیں لیکن بہت دفعہ اپنے طبعی جوشوں سے مغلوب ہو کر حرام خوری اور حرام کاری میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور روحانی ترقیات کا حاصل ہونا تو الگ رہا نجات سے بھی محروم رہ جاتے ہیں غرض انسان کا اپنے جسم کو سخت مشقتوں میں ڈالنا اپنے آپ پر ظلم کرنا ہے اور اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور ان قیمتی طاقتوں کا ضائع کرنا ہے جو خدائے تعالیٰ نے اپنے محض فضل سے اسے دین و دنیا کی ترقی کے لیئے عطا فرمائی تھیں پس جو مذہب اپنے پیروؤں کو اس قسم کی تعلیم دیتا ہے وہ تفریط سے کام لیتا ہے اور نفس کے حقوق کو بلا وجہ رد کر کے اسے ہلاکت کے گڑھے میں گرا دیتا ہے اور ایسا مذہب کسی خاص وقت میں کسی خاص قوم کے لیئے تو ممکن ہے کہ مفید ہو لیکن دنیا کی ہدایت کے لیئے وہ ہرگز کارآمد نہیں ہو سکتا۔

اس تفریط کے مقابلہ میں بعض مذاہب نے افراط سے کام لیا ہے اور انہوں نے جسمانی

ریاضتوں کو سرے سے ہی مضر اور لغو قرار دیا ہے اور صاف کہدیا ہے کہ جسم کو کسی ریاضت میں ڈالنا بالکل لغو اور فضول ہے اور اس میں سوائے نقصان کے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ خدائے تعالیٰ کو کسی انسان کو تکلیف دینے یا اسے بھوکا پیاسا رکھنے سے کیا سروکار ہے اور اس عذر کے ماتحت انہوں نے تمام عبادات کو ترک کر دیا ہے لیکن جس طرح ان مذاہب نے جنہوں نے نفس کو بلاوجہ دکھ میں ڈالنے اور تمام لذائذ و نعماء سے بچنے کی ترغیب دی ہے نفس کے حق میں تفریط سے کام لیا ہے اسی طرح اس جماعت نے اسکے حق کی ادائگی میں افراط سے کام لیا ہے کیونکہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ طرح طرح کی دنیاوی لذتوں کے حصول میں مشغول رہتے ہیں اور ہر وقت اپنے جسم کی تربیت میں مشغول رہتے ہیں ان کا جسم اسقدر آرام طلب ہوجاتا ہے کہ اسکے نتیجہ میں روح بھی سست ہوجاتی ہے اور ایسے لوگوں کا رفتہ رفتہ قلب بھی سیاہ ہوجاتا ہے کیونکہ جسم انسان کی روح کے ساتھ وہی تعلق رکھتا ہے جو کہ ایک میوہ کا قشر اسکے مغز سے۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ قشر خود مطلوب نہیں لیکن قشر کو جب مغز سے جدا کر دو گے تو وہ فوراً یا کچھ دیر کے بعد بالکل برباد ہوجائیگا اسیطرح اگر عبادات جلد فنا ہوجاتی ہیں اور ایسے لوگ جو عبادت کا تعلق صرف قلب کے متعلق سمجھکر یہ خیال کرتے ہیں کہ صرف دل کی عبادت کافی ہے کچھ دنوں کے بعد دلی عبادت سے بھی محروم رہ جاتے ہیں کیونکہ تھوڑے ہی عرصہ میں انکی روح کی تازگی جاتی رہتی ہے اور سستی اس پر غالب آجاتی ہے اور وہ اسی طرح مرجھا جاتی ہے جس طرح قشر سے الگ کیا ہوا مغز۔ اور اس بات کو اگر نظرانداز بھی کر دیا جائے تب بھی اس بات میں کوئی شک نہیں ہوسکتا کہ جس طرح انسان کی روح خدائے تعالیٰ کے احسان کے نیچے ہے اسی طرح اسکا جسم بھی ہے پس روح اور جسم دونوں کو عبادت میں لگانا ہی انسان کو اس شکر گذاری کے فرض سے سبکدوش کرسکتا ہے جس کا بجالانا اسکے لیئے نہایت ضروری ہے۔

[illegible]

اصل بات یہ ہے کہ انسان کا جسم مثل ایک سواری کے گھوڑے کے ہے جس پر سوار ہوکر انسان اس زندگی کے سفر کو طے کرتا ہے اور اسکو جبتک ایسی حالت میں نہ رکھا جائے جس سے ایک طرف تو یہ چست و چالاک ہوجائے اور دوسری طرف ایسے دبلاپے سے محفوظ

سے ہے کہ جس کا نتیجہ ہلاکت ہو تب تک کبھی انسان اپنے سفر زندگی کو عمدگی سے طے نہیں کر سکتا کیا نہیں دیکھتے کہ ہوشیار آقا کس طرح اپنے گھوڑے کو ایسا موٹا و فربہ ہونے سے بچانیکی کوشش کرتا ہے کہ جسکا نتیجہ یہ ہو کہ وہ سفر کے ناقابل ہو جائے اسی طرح وہ اسے ایسا دبلا ہونے سے بھی بچاتا ہے کہ جس کا نتیجہ اس کی ہلاکت ہو یہی حال جسم کا ہے جبتک اسکے متعلق دونوں باتوں کا خیال نہ رکھا جائے۔ انسان کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا یعنی ایک طرف تو اس سے اسقدر ریاضت لیجائے کہ وہ بالکل دنیا کی طرف نہ جھک جائے اور ضرورت کے وقت خدائے تعالیٰ کے حکم کو بجالانے سے قاصر رہے اور دوسری طرف اسے اسقدر کمزور نہ کر دیا جائے کہ وہ اپنے دنیاوی فرائض سے بھی معذور ہو جائے اور قسم قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہو جائے اور اپنی کمزور حالت سے روح کو بھی صدمہ پہنچائے پس جو مذہب انسان کو اپنے نفس سے اس قسم کا سلوک کرنیکی تعلیم نہیں دیتا بلکہ یا وہ تفریط کی طرف چلا جاتا ہے یا افراط کی طرف وہ مذہب کامل نہیں کہلا سکتا اور نہ تمام دنیا کے لیئے ایسا مذہب قابل عمل ہو سکتا ہے اور وہی مذہب تمام دنیا کے لیئے قابل عمل ہو سکتا ہے جو تمام انسانی ضروریات کو پورا کرنے والا ہو اور انسان کو ایسے راستہ پر چلائے جسپر چلکر وہ آسانی سے خدائے تعالیٰ تک پہنچ جائے اور باوجود اس بات کا اقرار کرنیکے کہ تمام مذاہب خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہی آئے ہیں میں یہ بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر کوئی مذہب اس مسئلہ پر کہ انسان کو اپنے نفس کے ساتھ کیسا معاملہ کرنا چاہیئے تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھکر اور کل طبائع کا خیال رکھکر روشنی ڈالتا ہے تو وہ صرف اسلام ہی ہے۔ وہی ہے جو ایک طرف تو ایسے لوگوں کا خیال رکھتا ہے جو جسم کے نحیف اور صحت کے کمزور ہوتے ہیں تو دوسری طرف ان لوگوں کا علاج کرتا ہے جو اپنے جسم کی فربہی کی فکر میں اپنی روح کو بالکل بھلا دیتے ہیں چنانچہ قرآن کریم ایک قاعدۂ کلیہ کے طور پر اس بارہ میں کہ انسان کو اپنے نفس سے کیسا معاملہ کرنا چاہیئے یوں فرماتا ہے کہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ یعنی تم لوگ اپنے ہاتھوں سے اپنے نفس کو ہلاکت میں نہ ڈالا کرو یعنی عبادات میں یا کھانے پینے میں یا محنت و مشقت میں یا صفائی و طہارت میں کبھی کوئی ایسی راہ نہ اختیار کرو جس کا نتیجہ تمہاری صحت یا تمہاری جان یا تمہاری عقل یا تمہارے اخلاق

کے حق میں بُرا نکلے۔ تہلکہ کا لفظ جو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے استعمال کیا ہے اسکے معنے کسی ایسے فعل کے ہوتے ہیں جس کا انجام ہلاکت ہو اس لفظ کے استعمال کرنے میں ایک بہت بڑی حکمت ہے اور وہ یہ کہ تہلکہ کے اصل معنے ایسا کام کرنے کے ہیں جس کا نتیجہ بُرا نکلے۔ پس اس لفظ کے استعمال کرنے سے قرآن کریم نے اس طرف بھی اشارہ کردیا ہے کہ اسلام دین یا عزت یا تمدن کی حفاظت کے لیئے انسان کو اپنی جان خطرہ میں ڈالدینے سے نہیں روکتا بلکہ ایسے کاموں سے روکتا ہے جن کا کوئی نیک نتیجہ برآمد ہونیکی امید نہ ہو اور جنمیں انسان کی جان یا کسی اور مفید شے کے بلاوجہ برباد ہونیکا خطرہ ہو۔ یہ تو ایک عام حکم ہے جسمیں اصولاً انسان کو بتایا گیا ہے کہ اسے اپنے نفس سے کیسا معاملہ کرنا چاہیئے لیکن اسکے علاوہ قرآن کریم و احادیث میں اسکے متعلق بہت سی تفاصیل بھی پائی جاتی ہیں چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ انسان کے کھانے اور پینے کے متعلق فرماتا ہے یسئلونك ماذا احلّ لهم قل احل لكم الطيّبات یعنی لوگ پوچھتے ہیں کہ انکو کون کونسی اشیاء کھانیکی اجازت ہے تو اسکے جواب میں کہدے کہ ہر ایک چیز جو تمھارے جسم یا تمھاری عقل یا تمھارے اخلاق یا تمھارے دین کے لیئے مضر نہیں وہ تمھارے لیئے حلال ہے بے شک اس کا استعمال کرو اسی طرح ایک دوسری جگہ فرماتا ہے کہ یاایّها الّذين اٰمنوا لا تحرّموا طيّبٰت ما احلّ الله لكم ولا تعتدوا ان الله لا يحب المعتدين۔ یعنی اے مومنو جو پاک اشیاء جو کسی طرح بھی تمھارے لیئے مضر نہیں حلال کیگئی ہیں انکو اپنے نفس پر کبھی حرام نہ کرو یعنی کبھی اپنے نفس سے عہد نہ کرو کہ فلاں چیز جو صحت بدن و سلامتی عقل و درستی اخلاق و حفاظت دین میں سے کسی شے کے لیئے بھی مضر نہیں صرف نفس کُشی کے لیئے ہم اپنے نفس پر حرام کرتے ہیں اور اسکے علاوہ یہ بات بھی یاد رکھو کہ اگر ایک طرف تم کو ان چیزوں کو اپنے نفس پر حرام کرنیکی اجازت نہیں تو دوسری طرف اس بات کی بھی اجازت نہیں کہ تم اپنے نفس کو بس کھانے پینے ہی میں لگا دو اور دیگر فرائض کو بھول جاؤ اگر ایسا کروگے تو یہ فعل تمھارا حد سے نکلا ہوا ہوگا اور اللہ تعالیٰ حد سے بڑھ جانے اور ایک طرف ہی جُھک جانیکو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اس آیت پر غور کرو

کہ کھانے پینے کے متعلق کس طرح ایک طرف تو بلا وجہ اپنے نفس کو طیب اور پاک اشیاء سے محروم رکھنے سے منع کیا ہے اور دوسری طرف بالکل جسم کی پرورش میں ہی مشغول ہو جانے سے روکا ہے کیا یہی وہ تعلیم نہیں کہ جو ہر ایک طبیعت اور ہر ایک ملک اور ہر ایک زمانہ اور ہر ایک ضعیف یا قوی انسان کے مناسب حال ہے پھر کیا اسلام کے سوا کوئی اور بھی مذہب ہے جس نے اس رنگ میں انسان کی ہدایت کی ہو اگر نہیں تو کیا اس امر سے یہ بات پوری طرح ثابت نہیں ہو جاتی کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو اسوقت خدائے تعالیٰ تک انسان کو پہنچا سکتا ہے اور جسکی تعلیم تمام بنی نوع انسان کو ہدایت دے سکتی ہے مذکورہ بالا آیت کے علاوہ ایک اور آیت بھی کھانے پینے کے متعلق قرآن کریم میں آتی ہے اور وہ یہ ہے کلوا واشربوا ولا تسرفوا۔ یعنی کھاؤ اور پیو لیکن کھانے اور پینے میں اسراف نہ کرو یعنی ایسا نہ ہو کہ اپنی زندگی عمدہ کھانوں اور ٹھنڈے شربتوں کے لیئے وقف کردو بلکہ ضرورت کے مطابق ہر طیب چیز بے شک استعمال کرو کھانے پینے اور باقی زینت اور آرام کی اشیاء کے لیئے جو انسان اپنے آرام کے لیئے استعمال کرتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبٰت من الرزق یعنی کہہ کہ کس نے حرام کی ہیں وہ زینت کی اشیاء جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیئے پیدا کی ہیں اسی طرح کس نے طیب رزق حرام کیئے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب خدائے تعالیٰ نے کچھ اشیاء بطور زینت پیدا کی ہیں تو پھر کس کی طاقت ہے کہ کہے کہ ان اشیاء کو کوئی استعمال نہ کرے اگر انکا استعمال کرنا ناجائز تھا تو پھر خدائے تعالیٰ نے انہیں پیدا کیوں کیا؟

اسی طرح عبادت کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ اتنی عبادت کرو جس پر نفس راضی ہو اور جب نفس میں ملال پیدا ہونے لگے اسی وقت چھوڑ دو اور آپکی نسبت یہ روایت ہے کہ آپ ایک دفعہ مسجد میں داخل ہوئے تو وہاں ایک رسی لٹکی ہوئی دیکھی آپنے دریافت کیا کہ یہ کیسی رسی ہے تو لوگوں نے جواب دیا کہ ام المومنین زینب رضؓ نے اس لیئے لٹکوائی ہے کہ جب وہ نماز میں مشغول ہوتی ہیں آپ تھ

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی

فرمایا اس رسی کو ابھی کھول دو ایسی عبادت کی اجازت نہیں۔ اسی طرح روزوں کے متعلق عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ انھوں نے کہا ہے کہ میں ہمیشہ روزہ رکھونگا تو اسپر آپنے انکو بلا کر فرمایا کہ یہ درست نہیں اور آخر انکے بہت اصرار کرنے پر اس بات کی اجازت دی کہ ایک دن روزہ رکھ لیں اور ایک دن افطار کریں اور جب انھوں نے کہا کہ میں اس سے بھی بہتر روزوں کی طاقت رکھتا ہوں یعنی میں اس سے زیادہ برداشت کر سکتا ہوں تو آپنے فرمایا کہ اس سے بہتر کوئی روزہ نہیں یعنی اگر اس سے زیادہ کوئی انسان رکھیگا تو اسکی صحت کو صدمہ پہنچیگا اور نتیجہ اچھا نہ نکلے گا۔ غرض آپنے آخر میں یہ کہکر انکو رخصت کیا کہ اے عبداللہ تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیری آنکھ کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔

اسی طرح جسم کے بعض اعضاء کے ضائع کرنیکی نسبت حدیث میں آتا ہے کہ جب بعض صحابہؓ نے ساری عمر مجرد رہنے کے لیئے یہ تجویز کی کہ وہ اپنے آپکو خصی کریں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو منع فرمایا اور شادی نہ کرنیکے خیال کو بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ لا رہبانیۃ فی الاسلام اسلام میں رہبانیہ نہیں یعنی اسلام مسیحیوں کی طرح منکس اور تنتر بننے کی اجازت نہیں دیتا۔

پچھلے تمام حوالجات سے آپ لوگوں نے سمجھ لیا ہوگا کہ اسلام نے کس طرح شفقت علیٰ خلق اللہ کے اس حصہ کے متعلق بھی کامل اور مکمل تعلیم دی ہے اور کس طرح افراط و تفریط سے اجتناب کر کے میانہ روی کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کیا ہے اور ایسے احکام دیئے ہیں جو ہر زمانہ اور ہر ملک میں جاری ہو سکتے ہیں اور اگر ایک طرف جسم انسانی کو روح کا شریک حال کرنیکے لیئے بلکہ روحانی طاقت کو بڑھانے کے لیئے جسم کو بھی ریاضت اور عبادت میں شریک کیا ہے تو دوسری طرف اسکی تربیت کی ہے اور اسکی ضروریات کو پورا کرنیکا حکم دیا ہے اور اسلام نے تو یہانتک صحت انسانی کا خیال رکھا ہے کہ ان مختصر سی عبادات میں بھی جو مسلمانوں کے لیئے مقرر کی ہیں بیماری اور سفر کی حالت میں بہت کچھ سہولت رکھدی ہے تاکہ کسی انسان پر وہ بوجھ نہ ہوں اور کسی کی طبعی قوتیں اور استعدادیں اس سے تباہ نہ ہو جائیں پس ہم

حصۂ شریعت کے متعلق بھی صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو ایسی کامل تعلیم پیش کرتا ہے جس پر تمام دنیا کے انسان عمل کر سکتے ہیں۔

دوسرے انسانوں سے سلوک

دوسرا حصہ شفقت علیٰ خلق اللہ کا وہ تعلیم ہوتی ہے جو کسی مذہب نے اپنے پیروؤں کو اپنے سوا دوسرے بنی نوع انسان سے سلوک کے متعلق دی ہوتی ہے پس پہلے حصہ سے فارغ ہو کر ہم اس حصہ کے متعلق کچھ بیان کرتے ہیں تا معلوم ہو کہ اس میدان میں بھی اسلام ہی دیگر ادیان پر غالب ہے مگر پیشتر اسکے کہ اس حصہ کے متعلق ہم کچھ تفصیل وار بیان کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تمام بنی نوع انسان سے سلوک کرنیکے متعلق جو تعلیم اجمالی طور پر قرآن کریم میں مذکور ہے پہلے بیان کر دیجائے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے انّ اللّٰہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاءِ ذی القربٰی وینھٰی عن الفحشاءِ والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکّرون۔ یعنی اللہ تعالیٰ تم کو عدل اور احسان اور ایتاء ذی القربیٰ کا حکم دیتا ہے اور تم کو فحشاء اور منکر اور بغاوت سے روکتا ہے وہ تمھیں اسلیے نصیحت کرتا ہے تا تم اپنی اصلاح کر لو۔ اس آیت میں خدائے تعالیٰ نے ہر ایک مسلمان کو تین باتوں کا حکم دیا ہے اور تین باتوں سے روکا ہے۔ گویا ایک حکم کے مقابلہ میں ایک نہی ہے اور ہر ایک نیکی جسکے کرنیکا حکم دیا ہے اسکے مقابل کی بدی کو بھی بیان کر دیا ہے کہ اس سے تم کو بچنا چاہیئے پہلا زینہ جس پر ایک مومن کو چڑھنے کا حکم دیا ہے وہ عدل کا زینہ ہے۔ یعنی کسی کی حق تلفی نہ کرے اگر کسی کے ہاں ملازم ہے تو اس کا کام دیانت سے کرے جتنی تنخواہ لیتا ہے اسکے مطابق حسب معاہدہ کام بھی کرے اگر مزدور ہے تو محنت سے اپنا وقت اس شخص کے کام میں صرف کرے جس نے اسکو لگایا ہے اگر کسی کا کوئی روپیہ دینا ہے تو اسے ادا کرے اگر کسی کا کوئی اور حق ادا کرنا ہے تو دیانت سے ادا کرے غرض اپنے ہر ایک فعل میں عدل سے کام لے اور کسی کی حق تلفی نہ کرے پورا پورا حق ادا کر دے اسکے بعد فرمایا کہ عدل کے زینہ پر جب مومن چڑھ جائے تو پھر اسے چاہیئے کہ احسان کے زینہ پر قدم رکھے یعنی نہ صرف اسے اس بات کا خیال رہے کہ میں ہر ایک شخص کے حقوق پورے پورے ادا کر دوں بلکہ اب اسکی ایمانی حالت اس درجہ تک

ترقی پا جائے کہ وہ لوگوں کے حقوق ادا کرکے اپنی طرف سے بھی کچھ بطور احسان انکو دے اور لوگوں کے ساتھ عدل کرنا تو اسکے لیئے ایسا ہو جائے جیسے ایک معمولی بات ہے اور اسکو اب اسی بات کی فکر رہے کہ میں اپنی طاقت اپنی قوّت اپنے مال اپنی دولت اپنی عزت اپنی وجاہت سے کس طرح لوگوں کو فائدہ پہنچاؤں اور جب وہ اس درجہ ... کو بھی پالے تو ایک مسلمان کو چاہیئے کہ اس سے بھی بلند ہو اور احسان کرنا بھی اسکی نظر میں ادنیٰ ہو جائے اور وہ ایتاء ذی القربیٰ کا درجہ حاصل کرلے جو احسان سے بہت بڑا درجہ ہے اور احسان میں اور ایتاء ذی القربیٰ میں یہ فرق ہے کہ احسان ایک آدمی دوسرے آدمی سے بعض حالات کے ماتحت کرتا ہے یعنی کسی کو تکلیف میں دیکھا اور اس پر رحم آگیا تو اسپر احسان کر دیا یا کسی نے کبھی پہلے کوئی سلوک کیا ہوا ہو تو اس کا بدلہ اُتار کر اسکے احسان کو یاد کرکے اسکے ساتھ کچھ مروّت کر دی غرض عام احسان کا محرک ہمیشہ رحم یا شفقت ہوتی ہے لیکن ایتاء ذی القربیٰ یعنی قریبیوں کا دینا رحم و شفقت کا نتیجہ نہیں ہوتا ایک ماں اپنے بچّہ کی خدمت کرتی ہے اور اسکی نازبرداریاں کرتی ہے نہ اس لیئے کہ اسکی حالت نازک دیکھتی ہے یا اسے مصیبت میں پاتی ہے بلکہ صرف اسلیئے کہ وہ اسکے جگر کا ٹکڑا ہے اور اس کا بیٹا ہے بارہا اولاد امیر ہوتی ہے اور ماں باپ غریب ہوتے ہیں تو وہ اسی طرح اپنی اولاد کے ساتھ اپنے محدود ذرائع سے سلوک کرتے رہتے ہیں جیسا کہ ایک امیر ماں باپ اپنی حیثیت کے مطابق اپنی اولاد سے سلوک کرتے ہیں پس ماں باپ کا سلوک نہ تو انعام کی خواہش پر ہوتا ہے نہ کسی پہلے احسان کے بدلہ میں نہ مصیبت یا دُکھ کا نظارہ دیکھکر رحم کے جوش کی وجہ سے بلکہ انکا سلوک ان تمام باتوں سے پاک ہوتا ہے اور صرف محبت اس کا باعث اور محرک ہوتی ہے پس ایتاء ذی القربیٰ یعنی ایسا دینا جیسا کہ قریبی رشتہ دار دیتے ہیں عام احسان سے زیادہ اعلیٰ درجہ کا احسان ہوتا ہے اور اسی درجہ کی طرف اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ ایک مومن کو صرف احسان کے درجہ پر کھڑا نہیں ہو جانا چاہیئے بلکہ اسے چاہیئے کہ وہ آگے بڑھے اور اپنے اندر بنی نوع انسان کی ایسی محبت پیدا کرے کہ جیسی محبت کہ مہربان باپ اور محبت کرنیوالی ماں اپنے بچہ سے رکھتے ہیں اور ان سے بلا امتیاز امارت و غربت نیک سلوک کرے اور کسی وقتی جوش کے

ماتحت ان سے تعلق نہ ہو اسی طرح ان تین نیکیوں کے حاصل کرنیکے ساتھ ہی وہ تین بدیاں بھی ترک کرے یعنی ان بدیوں کو بھی ترک کردے جو اسکی اپنی ذات کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور انکو بھی جو ہیں تو اسکی ذات کے ہی متعلق مگر ایسی ہیں کہ لوگ بھی ان سے واقف ہوتے ہیں اور انہیں ناپسند کرتے ہیں اور وہ بدیاں بھی چھوڑ دی جنہیں دوسرے لوگوں کے حقوق کو نقصان پہنچتا ہے یا کسی حکومت کے انتظام میں ان سے خلل آتا ہے اور ان دونوں حکموں کو ملاکر گویا شفقت علیٰ خلق اللہ کے تمام مدارج کو پورا کر دیا کیونکہ شفقت دو ہی قسم پر منقسم ہوتی ہے اول ایصال خیر دوم دفع شر اور اس آیت میں دونوں قسموں کو بتمام و کمال بیان کر دیا گیا ہے یعنی ایک مسلم کو لوگوں سے نیکی تو اتنی کرنی چاہیئے کہ عدل سے ترقی کرتے کرتے وہ اس حد تک پہنچ جائے کہ لوگوں کے ساتھ ایسی محبت کے ساتھ معاملہ کرے اور بلا امتیاز انپر اس طرح احسان کرے جس طرح ماں باپ بچہ پر کرتے ہیں اور بدی سے بھی اسقدر دُور رہنا چاہیئے کہ خطرناک بغاوتوں اور شرارتوں کو چھوڑتے چھوڑتے اس حد تک پہنچ جائے کہ ان بدیوں کو بھی چھوڑے جو صرف اسکے نفس کے اندر مخفی ہیں کیونکہ نہ معلوم کسی نا معلوم رنگ میں ان سے ہی کسی کو نقصان پہنچ جائے غرض شفقت علیٰ خلق اللہ کے دونوں پہلوؤں یعنی ایصال خیر اور دفع شر کے تمام مدارج کو اس آیت میں بیان کر دیا گیا ہے اور اس سے بڑھکر نہ کوئی اور درجہ شفقت علیٰ خلق اللہ کا ہے جو انسان حاصل کر سکے اور نہ کوئی باریک بدی ہے جسے انسان چھوڑ سکے پس شفقت علیٰ خلق اللہ کے متعلق اس تعلیم سے بڑھکر کوئی مذہب کوئی اور تعلیم پیش ہی نہیں کر سکتا کیونکہ جو آخری مقام ہے اسپر اسلام کھڑا ہے اور اس سے اوپر جانیکی انسان کے لیے گنجائش نہیں اور بڑھکر تو کسی نے کیا پیش کرنی ہے ہم دعوٰی سے کہہ سکتے ہیں کہ اس تعلیم کے برابر بھی کوئی اور مذہب کوئی تعلیم پیش نہیں کر سکتا۔

اسلام نے شفقت علیٰ خلق اللہ کے متعلق جو تعلیم اجمالی طور پر دی ہے اسکے بیان کرنیکے بعد میں اب وہ تعلیم پیش کرتا ہوں کہ جو تفصیلی طور پر شفقت علیٰ خلق اللہ کے متعلق اسلام اپنے پیرووں کو دیتا ہے اور سب سے پہلے وہ تعلیم بیان کرتا ہوں جو رشتہ داروں کے متعلق اسلام دیتا ہے۔

والدین سے تعلق

بنی نوع انسان میں سے دنیاوی تعلقات کے لحاظ سے سب سے بڑا تعلق انسان کو اپنے والدین سے ہوتا ہے کہ انکو خدائے تعالیٰ نے اسکے دنیا میں لانے کا ذریعہ بنایا ہے والدین کی محبت جیسی پاک اور بے غرض ہوتی ہے اسکی نظیر دنیا میں بہت کم ملتی ہے وہ اسوقت بچہ کی خبرگیری کرتے ہیں جب اسے اپنے وجود کی بھی خبر نہیں ہوتی اور وہ اپنی زندگی کے قیام کے لیئے کوئی تدبیر نہیں کرسکتا ایسی حالت میں جن تکالیف سے وہ انکی پرورش کرتے ہیں اسے صرف والدین ہی سمجھ سکتے ہیں دوسرا انسان اس کا خیال بھی نہیں کرسکتا اور یہی وجہ ہے کہ والدین جس محبت سے بچہ کی خبرگیری کرتے ہیں بچہ اس کا عشر عشیر بھی ادا نہیں کرسکتا اور بہت کم بچے ایسے ملیں گے جو اس احسان کا پورا بدلہ دے سکیں جو انپر انکے والدین نے کیا ہوتا ہے اسی وجہ سے اسلام نے انکی فرمانبرداری کرنیکا سخت حکم دیا ہے چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قضیٰ ربك ان لا تعبدوا الا ایاه وبالوالدین احسانا اما یبلغن عندك الکبر احدهما او کلاهما فلا تقل لهما اف ولا تنهرهما وقل لهما قولا کریما واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما کما ربیانی صغیرا - یعنی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ احسان کا معاملہ کرو اگر ماں باپ میں سے ایک یا دونوں تمھارے جوان ہونے بوڑھے ہوجائیں تو انکو اُف تک نہ کہو اور کبھی انسے سختی سے کلام نہ کرو بلکہ جب ان سے بات کرو تو ادب و احترام کو مدنظر رکھو اور انکے آرام و آسائش کے لیئے کمال رحم کے ساتھ اپنی خدمت کے بازو انکے سامنے بچھا دو اور باوجود اس سلوک کے یہی سمجھو کہ تم نے انکی خدمت کا حق پورے طور پر ادا نہیں کیا اسلیئے خدائے تعالیٰ کے حضور میں دعا کرتے رہو کہ الٰہی ہم تو انکے احسانات کا بدلہ بھی نہیں دے سکتا پس تو ہی ہماری طرف سے انکا متکفل ہوجا اور جس طرح انہوں نے اسوقت کہ ہم بے بس و بے کس تھے ہماری مدد کی تو بھی اس دن کہ یہ بے بس و بے کس ہوں اسی محبت اور پیار کے ساتھ انسے معاملہ کیجیو - یہ وہ بے نظیر تعلیم ہے جو اسلام والدین کے حق میں دیتا ہے اور دنیا کا کونسا مذہب ہے جو اسکے مقابلہ میں اپنی تعلیم کو پیش کرسکے

اس میں کوئی شک نہیں کہ سب مذاہب اپنے اندر خوبیاں رکھتے ہیں اور چونکہ وہ خدائے تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں اسلیئے انکے اندر بہت سی صداقتیں موجود ہیں لیکن والدین کے متعلق وہ افراط و تفریط سے خالی اور کامل تعلیم جو اسلام پیش کرتا ہے اور کسی مذہب میں نہیں پائی جاتی کس طرح ایک ہی آیت میں اول تو یہ بتایا ہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے اور والدین کے احسان بھی اسکے مقابلہ میں ہیچ ہوتے ہیں پس تم ہرگز اس مذہب کی پیروی نہ کرو جو والدین کے حقوق کی ادائگی میں اسقدر افراط سے کام لیتا ہے کہ انکے آگے سجدہ کرنا اور عبادت کی شرائط بجا لانے کو جائز قرار دیتا ہے کیونکہ یہ کام حد سے بڑھا ہوا ہے اور والدین کی تکریم کرتے ہوئے اس میں اس حقیقی محسن کی ہتک کی گئی ہے کہ جو اس احسان کا بھی خالق ہے جو والدین انسان پر کرتے ہیں دوسری بات اس آیت میں یہ بتائی ہے کہ والدین کی عبادت تو نہیں کرنی لیکن انکے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا ہے یہ وہ تعلیم ہے کہ جسکے مقابلہ میں اور کوئی مذہب کھڑا نہیں ہو سکتا کیونکہ دیگر مذاہب صرف یہ کہتے ہیں کہ تُو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کر اور انکی خدمت کر لیکن اسلام صرف یہی نہیں کہتا تُو ان سے نیک سلوک کر۔ بلکہ اسلام یہ کہتا ہے کہ تو ان سے احسان کرنیکی کوشش کر اور احسان اس خدمت یا اس انعام کو کہتے ہیں جو دوسرے کی خدمت یا انعام سے زائد ہو ایک مزدور اگر کسی شخص کی مزدوری کرتا ہے اور وہ دوسرے وقت میں اسے اس کا حق ادا کر دیتا ہے تو وہ ہرگز اس کا محسن نہیں کہلاتا محسن وہ کہلاتا ہے جو اسکے حق سے زیادہ بدلہ اسکو دے پس اسلام نے والدین کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتے ہوئے یہ نہیں کہا کہ تو انسے نیک سلوک کر کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اپنے والدین سے نیک سلوک کرے لیکن اس کا نیک سلوک اس سلوک کی حد کو بھی نہ پہنچے جو والدین نے اس سے کیا تھا پس ایسے شخص کا سلوک نیک تو کہلائیگا لیکن وہ ان کا محسن نہیں کہلا سکتا محسن وہ تبھی کہلا سکتا ہے جب انکے سلوک سے بڑھ کر محبت کا سلوک کرے اور والدین کے سلوک کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دیکھو کہ اسلام نے والدین کے حق میں کیسی شاندار تعلیم دی ہے اور کیا کوئی اور بھی مذہب ہے جس نے اس رنگ میں والدین کے ساتھ سلوک کو بیان کیا ہو کہ ایک طرف تو افراط کو روکا ہو اور ایک طرف تفریط کو۔ ایک طرف تو عبادت سے منع کر کے

خدائے تعالیٰ کی شان کا لحاظ فرمایا اور دوسری طرف ان مذاہب کی تردید کر دی جو بیوی کا تو لحاظ کرتے ہیں لیکن والدین کی نسبت کوئی نسبت کوئی حکم نہیں دیتے اور بیاہ کے بعد بیوی کو ہی تمام تر توجہ کا مستحق قرار دیتے ہیں پھر فرمایا کہ اگر والدین بوڑھے ہو جائیں تو انکو اُف تک بھی نہ کہو کہ فلاں کام تمہارا ہم ناپسند کرتے ہیں بوڑھے ہو جانیکی شرط اسلیئے لگائی گئی ہے کہ اول تو جب والدین خود کام کے قابل ہوں تو وہ اپنی اولاد پر بوجھ نہیں ڈالتے دوم جب انسان بوڑھا ہو جاتا ہے تو بوجہ بے دست و پا ہونیکے اور مختلف قسم کی بیماریوں اور ضعفوں کے پیدا ہو جانیکے اس کا مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے پس فرمایا کہ اس حالت میں بھی کہ جب وہ نہایت چڑچڑے اور ترش رو ہو جائیں اور انکی حرکات برداشت سے باہر ہوتی جائیں تم کو چاہیئے کہ انکی کسی حرکت پر اظہار ناراضگی نہ کرو بلکہ اگر پوری کر سکتے ہو تو کر دو اور اگر پوری نہیں کر سکتے تو بڑی نرمی سے عرض کر دو کہ یہ بات ہماری طاقت سے باہر ہے اور جب ان سے کلام کرو تو نہایت ادب کے ساتھ کرو اور انکے سامنے ایسے نرم ہو جاؤ کہ گویا رحمت کے مارے تم انکے سامنے بچھے جاتے ہو اور پھر اسی پر بس نہ کرو بلکہ انکے لیئے دعائیں کرتے رہو کہ انکی خدمت میں جو کچھ کوتاہی ہم سے ہوتی ہے اس کا بدلہ خدائے تعالیٰ اپنے پاس سے انکو دے - یہ تو وہ سلوک ہے جس کا حکم اسلام نے اولاد کو اس حالتمیں دیا ہے جب وہ زندہ ہو لیکن اگر کوئی شخص مرجائے اور اسکے والدین زندہ ہوں تو پھر بھی والدین کو نہیں بھلایا اور نہ انکے حقوق کی نگہداشت میں دوسرے رشتہ داروں کو بھلا دیا ہے نہ تو اسلام نے بعض مذاہب کی طرح یہ حکم دیا ہے کہ اولاد کا سب مال والدین کو دیدیا جائے کیونکہ اس طرح گئی اور رشتہ داروں کی کہ وہ بھی رحم کے مستحق ہوتے ہیں حق تلفی ہے مثلاً اگر اسکی بیوی ہو اور چھوٹے چھوٹے بچے ہوں تو وہ اس حکم کے ماتحت بالکل بے دست و پا رہ جاتے ہیں اور نہ اسلام نے یہ حکم دیا ہے کہ والدین کو بالکل محروم رکھا جائے جیسا کہ بعض دیگر مذاہب کی تعلیم ہے بلکہ اسلام نے ان دونوں تعلیموں کے خلاف ایک میانہ راہ اختیار کی ہے اور وہ یہ کہ مرنیوالے کے مال کے ایک حصہ کا وارث والدین کو قرار دیا ہے یعنی اگر اس کی اولاد ہو تو چھٹا چھٹا حصہ والدین کو دیا جائے اور اگر اولاد نہ ہو تو تیسرا حصہ والدہ کو اور باقی کل والد کو - لیکن بصورت

ماں باپ کا اولاد سے سلوک

والدین سے جس سلوک کا اولاد کو حکم دیا ہے اسے تو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اب دوسرے نمبر پر اس سلوک کا ذکر کرتے ہیں جس کا حکم والدین کو انکی اولاد کے متعلق دیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ والدین کے دلمیں اپنی اولاد سے طبعاً محبت ہوتی ہے اور انہیں اپنی اولاد سے نیک معاملہ کرنیکے متعلق کسی خاص حکم کی بظاہر ضرورت نہیں معلوم ہوتی لیکن تاریخ عالم ہمیں بتاتی ہے کہ اصل واقعہ یوں نہیں بلکہ باوجود اس فطرتی محبت کے جو والدین کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے کئی وجوہ سے اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ والدین کو بھی اس بات کی ہدایت کیجائے کہ اپنی اولاد سے کیا سلوک کریں اور مختلف مذاہب کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس تعلیم سے خالی ہونیکی وجہ سے انکے پیروان کو سخت دقتیں پیش آئی ہیں سوائے ایک ورثہ کے کہ اسکی ضرورت ہر ایک گھر میں پیش آتی تھی باقی امور کے متعلق دیگر مذاہب بالکل خاموش ہیں اور نہیں بتاتے کہ والدین کو اپنی اولاد سے کیسا معاملہ کرنا چاہیئے۔ لیکن اسلام چونکہ کامل اور آخری مذہب ہے اور تمام بنی نوع انسان کے لیئے آیا ہے وہ اس نقص سے خالی ہے کیونکہ وہ ایسے زمانہ میں آیا جب بنی نوع انسان کیحالت چاہتی تھی کہ انکو ایک ایسی شریعت دی جائے جو ہر رنگ میں کامل ہو اور جسمیں انسانی معاملات کے تمام پہلوؤں کا لحاظ رکھا جائے۔ اسلام سے جو پہلے مذاہب ہیں انکو صرف اسی قدر تعلیم کی ضرورت تھی جو اسوقت کی ضروریات کے لیئے کافی ہو اور جس کے ذریعہ سے اسوقت کے لوگوں کو اس کامل شریعت کے قبول کرنیکے لیئے تیار کیا جائے جو بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیئے روز ازل سے مقدر تھی۔

اولاد کا قتل

مختلف ممالک میں کسی نہ کسی سبب سے اولاد کے قتل کر دینے کا رواج تھا اور بعض لوگ لڑکیوں کو اسلیئے قتل کر دیتے تھے کہ وہ کسی اور گھر میں بیاہی جائیں گی اور اسمیں ہماری ہتک ہے۔ بعض اس خوف سے کہ کہیں بڑی ہو کر وہ کوئی گناہ نہ کر بیٹھیں اور اس میں ہماری ذلّت ہو انکو قتل کر دیتے۔ بعض بوجہ غربت کے بچوں کو ضائع کر دیتے کہ انکو کھانا کون کھلائیگا چنانچہ ان دنوں میں کہ تعلیم گراں ہے بہت سے لوگ یورپ و امریکہ و ایشیا کے ایسے ہیں جو ایسی تدابیر اختیار کرتے ہیں کہ جن سے اولاد نہ ہو اور یہ بھی ایک قسم اولاد کے ضائع کر دینے کی

ہے جب ان سے پوچھا جائے تو کہتے ہیں کہ اسوقت تعلیم نہایت گراں ہے اولاد زیادہ ہوئی تو انکو تعلیم دلانا مشکل ہوگا اسلام نے اس فعل کو سخت ناپسند فرمایا ہے اور فرماتا ہے کہ واذا الموءدۃ سئلت بای ذنب قتلت جو لوگ اپنی لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے ہیں ان سے سوال کیا جائے گا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا اور کس گناہ کی سزا میں کیا۔ اسی طرح فرماتا ہے ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم کان خطأ کبیرا۔ یعنی اپنی اولاد کو اس ڈر سے نہ قتل کر دیا کرو کہ ہمارے مال انکی تربیت اور تعلیم اور کھلانے اور پلانے پر خرچ ہونگے کیونکہ تم کو بھی جو کچھ ملتا ہے ہمارے خزانہ سے ملتا ہے اور انکو بھی ہم ہی دینگے اور پھر اس شک کو دور کرنیکے لئے کہ کیا صرف مال کے فنا ہوجانے کے ڈر سے اولاد کو مارنا منع ہے یا اس کا کوئی اور باعث بھی ہو تب بھی منع ہے فرمایا کہ ان قتلھم کان خطأ کبیرا اولاد کا مارنا ہی بڑا گناہ تھا۔ یعنی مال کے فنا ہوجانے کے ڈر سے مارنا ہی گناہ نہیں بلکہ منع کرنیکا اصل باعث یہی ہے کہ اولاد کا قتل کرنا خواہ وہ کسی باعث سے ہو گناہ اور برا کام ہے اور اوپر جو وجہ بتائی گئی ہے صرف بطور ایک مثال کے ہے۔

یہ تو اولاد کو قتل کرنیکے متعلق اسلام کی تعلیم ہے اسکے بعد وہ تعلیم ہے جسمیں اولاد کی تعلیم و تربیت کے متعلق احکام ہیں پہلا حکم انکی ولایت کے متعلق ہے چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ اولاد کی کفالت والد کے ذمہ ہے اور اس طرح اولاد کو اس تباہی سے بچا لیا گیا ہے جو اسوقت انکو پیش آتی ہے جب بعض دفعہ والدین میں لڑائی ہوجانیکی وجہ سے بعض والد اولاد کا خرچ اسلئے ادا کرنے سے پہلوتہی کرتے ہیں کہ وہ اس والدہ کے بچے ہیں جس سے وہ ناراض ہیں اس حکم کے ماتحت خواہ والد راضی ہو یا نہ ہو حکومت اسے مجبور کریگی کہ وہ اپنے ذرائع آمد کے مطابق اولاد کو اسکے بلوغ تک خرچ دے۔

اسکے علاوہ اولاد کی تربیت کے متعلق بھی اسلام بہت تاکید کرتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یاایھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا۔ یعنی اے لوگو اپنی جانوں کو اور اپنے اہل و عیال بیوی اور بچوں کو بھی آگ سے بچاؤ یعنی انکو تعلیم و تربیت دو

اور یوں ہی آوارہ نہ رہنے دو کہ جاہل رہکر خدائے تعالیٰ سے بھی پھر جائیں اور آخر ہلاک اور برباد ہو جائیں۔

اسی طرح اولاد کی تربیت کے متعلق حدیث میں حکم آتا ہے کہ انکی عزت کرو اور ایسا معاملہ ان سے نہ کرو جسکا نتیجہ آخر یہ نکلے کہ انکے اندر دنایت پیدا ہو جائے۔ اسی طرح فرمایا کہ اولاد کو علم و عقل اسی طرح اولاد کو مارنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے اور حکم ہے کہ اولاد کو دکھ دینا اور ستانا درست نہیں اور اسکی یہ حکمت ہے کہ مارنے اور دکھ دینے سے ہمیشہ اخلاق ناقص اور خراب ہو جاتے ہیں اور آیندہ زندگی میں انسان کام کا نہیں رہتا لیکن چونکہ اولاد کی تربیت میں کبھی مارنے کی ضرورت پیش آتی ہے اسلیئے اگر کبھی ضرورت اور مجبوری ہو تو اسکے لیئے حکم دیا گیا ہے کہ منہ پر نہ مارا جائے بلکہ کسی ایسی جگہ پر مارا جائے جس پر مارنے سے اسکے جسم کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔

پھر بھائیوں کی محبت قائم رکھنے کے لیئے حکم دیا کہ والدین کو سب بیٹوں اور بیٹیوں سے برابر کا سلوک اور معاملہ کرنا چاہیئے اور بعض سے خاص رعایت کا معاملہ نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آپسمیں جھگڑے اور لڑائیوں کی نوبت پہنچ جاتی ہے چنانچہ لکھا ہے کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے اپنے فلاں بیٹے کو ایک غلام دیا ہے آپ گواہ رہیں آپنے فرمایا کہ کیا سب بیٹوں کو دیا ہے اس نے کہا کہ نہیں فرمایا کیا تیرا دل چاہتا ہے کہ سب ایک سے نیک ہوں اس نے کہا کہ ہاں فرمایا کس طرح پسند کرتا ہے کہ ایک بیٹے کو خاص کرکے انعام دے۔ یہ جائز نہیں یا سب کو دے یا اس سے واپس کرے اس طرح آپنے بتایا کہ جب تم ایک بیٹے کو دوسرے سے خاص کرو گے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ دوسرے اس سے بغض کرینگے اور آخر اسکے دشمن ہو کر گناہ میں مبتلا ہونگے پس جبکہ ایک باپ نہیں چاہتا کہ اسکی اولاد گنہگار ہو اور ایسی راہ پر چلے جس سے خدائے تعالیٰ سے دور ہو جائے تو وہ کیوں اپنے ہاتھ سے ایسے سامان کرتا ہے کہ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اسکی اولاد میں سے بعض گنہگار ہونگے۔ اس تعلیم کا مقابلہ بعض اقوام کے اس طریق عمل سے کرو جو وہ اپنی اولاد سے کرتے ہیں کہ ایک کو وارث بنا کر باقی سب کو محروم کر دیتے ہیں تو معلوم ہو گا کہ اسلام نے کس طرح باریک

در بار یک مسائل کو بھی کھولدیا ہے تا لوگ ٹھوکر کھا کر ہلاک نہ ہوں چنانچہ اسلام نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ مرنے کے بعد بھی کوئی شخص اپنے کسی بیٹے کو زائد مال نہیں دے سکتا۔

علاوہ ان احکام کے عورتوں کی قابل رحم حالت معلوم کرکے اسلام نے لڑکیوں کی تربیت اور انکی خبر گیری کے لیئے خاص طور پر حکم دیا ہے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جسکو خدائے تعالیٰ بیٹیاں دے اور وہ انکی اچھی طرح خبر گیری کرے تو وہ اسکے لیئے جہنم سے بچانیکا ذریعہ ہو جائینگی۔

ان تمام احکام سے ہر ایک شخص معلوم کر سکتا ہے کہ شفقت علیٰ خلق اللہ کے اس پہلو کو جسے اکثر مذاہب نے یا تو بالکل ترک کر دیا ہے یا نہایت ناقص احکام اسکے متعلق دیئے ہیں اسلام نے کس کامل طور پر بیان کیا ہے اور کس طرح والدین کو ایسے راستہ پر چلایا ہے کہ جسپر چلکر وہ اپنی اولاد کو ہلاکت سے بچا سکتے ہیں اور خود ہلاکت سے بچ سکتے ہیں کیا کوئی اور مذہب ہے جس نے اولاد کے حق میں ایسے بالتفصیل احکام دیئے ہیں اگر نہیں تو اسلام کے مقابلہ میں کسی اور مذہب کا کیا حق ہے کہ دنیا کی اصلاح کا دعویٰ کرے وہ مذاہب اپنا وقت ختم کر چکے اور اپنے اپنے وقتوں میں انہوں نے بھی دنیا کو فائدہ پہنچایا لیکن اس کامل مذہب کے آنے پر اب انکی ضرورت نہیں رہی۔

بھائیوں کے متعلق احکام

ماں باپ اور اولاد کے علاوہ اسلام نے بھائیوں اور بہنوں کو بھی فراموش نہیں کیا اور ان سے بھی نیک سلوک کا حکم دیا ہے اور اولاد و والدین کی عدم موجودگی میں انکو اپنے بھائی کا وارث بنا کر انکے سلوک کو کامل کیا ہے۔

بیوی کے متعلق احکام

گو مختلف مذاہب اس ترقی علوم کے زمانہ میں اس بات کے مدعی ہیں کہ انکا مذہب عورتوں کے حقوق کی دیگر سب مذاہب سے زیادہ خبر گیری کرتا ہے اور انکے حقوق بیان کرتا ہے لیکن انکا یہ دعویٰ قابل توجہ نہیں کیونکہ کوئی مذہب ایسا نہیں جو عورتوں کے حقوق کو اپنے مذہب کی طرف سے پیش کرے بلکہ موجودہ زمانہ کی تمدنی حالت کے لحاظ سے اپنا دعویٰ پیش کیا جاتا ہے حالانکہ کسی خاص شخص یا خاص قوم کا عمل اسکے مذہب کو تعریف کا مستحق نہیں بنا سکتا جبتک کہ خود

اس مذہب کی طرف سے وہ تعلیم نہ پیش کی گئی ہو اور ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے سوا جسقدر دیگر مذاہب ہیں وہ باوجود سینکڑوں ہزاروں خوبیاں رکھنے کے بوجہ اسکے کہ صرف خاص زمانہ اور خاص قوم کے لیئے تھے عورت کے حقوق کے متعلق بہت حد تک خاموش ہیں چنانچہ اسلام سے سب سے قریب کا مذہب مسیحیت بھی عورت کے متعلق کوئی مشرح تعلیم نہیں دیتا اور یورپ کا طریق عمل مسیحیت کے لیئے باعث فخر نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ مسیحیت کے حکم سے نہیں پیدا ہوا ہے بلکہ علوم کی ترقی یا اسلام کی صحبت کا نتیجہ ہے ہاں اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نے اپنی توجہ کو اس مظلوم فرقہ کے بلند کرنیکی طرف بھی کی ہے اور اپنی شفقت کو صرف کسی خاص گروہ کے ساتھ خاص نہیں کیا چنانچہ والدہ بیٹی اور بہن کے متعلق جو احکام اسلام نے دیئے ہیں وہ تو اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ اب ہم بیوی کے متعلق جو احکام اسلام نے دیئے ہیں انکو بیان کرتے ہیں دیگر مذاہب میں سے بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے اس موضوع کو ہاتھ بھی نہیں لگایا اور جنہوں نے اسکے متعلق کچھ احکام بیان کیئے ہیں وہ نہایت ناقص اور ناکمل ہیں اور آج سے سینکڑوں سال پہلے جب علوم و تمدن کیحالت گری ہوئی تھی اسوقت کے لیئے تو بے شک عورتوں کو بعض شدید مظالم سے بچانیکے لیئے کافی ہونگے لیکن اب جبکہ تمام جہان میں ایک زندگی کی روح پھونکی گئی ہے انپر عمل کر کے بیویوں کے حقوق کی کامل طور پر نگہداشت نہیں ہوسکتی اور صرف اسلام ہی کے احکام ایسے کامل ہیں کہ انکے ذریعہ سے عورتوں کے حقوق ادا ہو سکتے ہیں عورتوں کے حقوق کے متعلق سب سے پہلا حکم جسکے ذریعہ سے اسلام عورتوں کو یک لخت پستی کی حالت سے بلند کر کے مرد کے برابر لا کھڑا کرتا ہے یہ ہے کہ عورت و مرد دونوں کو ایک ہی قسم کے اور ایک ہی جنس کے قرار دیکر برابر کے حقوق کا مستحق کر دیا ہے چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجاً یعنی اللہ تعالےٰ نے تمھاری ہی جنس سے تمھاری بیویاں پیدا کی ہیں پس تمکو یہ نہیں چاہیئے کہ انکو کوئی ادنیٰ مخلوق سمجھ کر انکو حقارت کی نظر سے دیکھو اور انکے ساتھ درشتی یا سختی سے پیش آؤ۔ اسکے علاوہ قرآن کریم میں مرد و عورت کے حقوق کے متعلق حکم ہے ولہن مثل الذی علیہن

پ۱۴ النحل ۔ ع

بالمعروف وللرجال علیھن درجة * یعنی عورتوں کو مردوں پر اسی قسم کے حقوق حاصل ہیں جس قسم کے مردوں کو عورتوں پر ہاں مردوں کو عورتوں پر انتظامی معاملات میں ایک درجہ عطا ہے یعنی گھر کا آخری فیصلہ مرد کے اختیار میں ہوتا ہے اور یہ حکم ایسا ہے کہ جس نے عورتوں کے حقوق کے متعلق جو افراط کیجاتی ہے اسکو مٹا دیا ہے بعض لوگ عورتوں کو معلقہ کے طور پر چھوڑ رکھتے ہیں اور انکے ساتھ نیک برتاؤ نہیں کرتے انکے متعلق حکم دیا ولا تعضلوھن لتذھبوا ببعض ما اٰتیتموھن † یعنی ایسا کرو کہ نہ ان سے نیک معاملہ کرو اور نہ آزاد کرو تا اس طرح ڈر کر تم ان سے ان کا مال چھین لو۔ اسی طرح حکم دیا کہ وعاشروھن بالمعروف † عورتوں سے نہایت عمدہ معاملہ کرو پھر عورتوں کے حقوق کو پورا کرنیکے لیئے اسلام انکو اپنے خاوندوں کے مال میں سے اولاد ہونیکی صورت میں آٹھویں حصّہ کا اور اولاد نہ ہونیکی صورت میں چوتھے حصّہ کا وارث قرار دیتا ہے اور پھر جس مال کی وہ مالک ہوجائیں اسپر انہی کا قبضہ قرار دیتا ہے نہ انکے والدین یا خاوندوں کا۔ قرآن کریم کے احکام کے علاوہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے عمل اور اپنی تاکیدات سے عورتوں کے حقوق نہایت تاکید کے ساتھ قائم کیئے ہیں اور یہاں تک فرمادیا کہ خیرکم خیرکم لاھلہ تم میں سے سب سے بہتر وہی انسان ہے جو اپنی بیوی سے سب سے بہتر سلوک کرتا ہے اسی طرح فرمایا کہ اے مسلمانو! عورت کے متعلق میری یہ بات مانو کہ انکے ساتھ نیک معاملہ کیا کرو تمہارا کوئی حق نہیں کہ اپنی بیوں سے نیک سلوک کے سوا کسی اور قسم کا سلوک کرو سوائے اسکے کہ وہ ایسی بدی کریں جسے سب لوگ برا منائیں اور جو نہایت کھلی کھلی ہو اگر وہ کوئی ایسی بدی کریں تو کچھ دن اپنے سے علیحدہ کرو۔ اگر مان لیں تو بہتر ورنہ پھر انکو کچھ بدنی سزا دو لیکن ایسی سزا نہ ہو کہ انکے جسم پر اس سے نشان پڑجائیں۔

جس طرح اسلام نے مرد پر عورت کے کچھ حقوق رکھے ہیں عورت پر بھی مرد کے کچھ حقوق رکھے ہیں عورت کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے خاوند کی امانت کو پوری طرح ادا کرے اسکے آرام اور اسکے سکھ کی فکر کرے اس کی مشکل کے وقت اسکی غمگسار ہو اسکی

* البقرہ ع ۲۸ — † النساء ع ۳ —

اولاد کی تربیت کرے اور اسکی ناشکری نہ کرے۔ غرض یہ نہیں کیا کہ اگر مرد کے حقوق بیان کیئے ہوں تو عورتوں کو ترک کر دیا ہو اور اگر عورت کے حقوق بیان کیئے ہوں تو مرد کے حقوق کو نظر انداز کر دیا ہو یا دونوں کے حقوق بیان کیئے ہوں لیکن ان میں افراط و تفریط سے کام لیا ہو بلکہ مرد و عورت کے تمام حقوق کو نہایت مناسب طور پر تمام پہلوؤں کو مدِ نظر رکھکر بیان کیا ہے اور اس طرح اس عظیم الشان تعلق کو جو تمام انسانی ترقی کی جڑ ہے ایسی مضبوط چٹان پر قائم کر دیا ہے کہ کوئی آندھی اور کوئی طوفان اسکو ہلا نہیں سکتا۔

دیگر رشتہ داروں کے ساتھ سلوک

ان نہایت ہی قریبی رشتہ داروں کے علاوہ جنکے حقوق اوپر بیان ہوئے دیگر رشتہ داروں کو بھی اسلام نے فراموش نہیں کیا چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فآت ذا القربیٰ حقہ* یعنی جو تمہارے قریبی اور رشتہ دار ہیں انکو انکا حق ادا کرو۔ اس حکم کے ذریعہ نہ صرف رشتہ داروں کے ساتھ نیک تعلقات کے قائم کرنیکا حکم دیا گیا ہے بلکہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ حق دار ہیں کہ انکے ساتھ نیک سلوک کیا جائے اور ان سے نیک سلوک کرنا گویا انکا حق ادا کرنا ہے حق کا لفظ اسلیئے استعمال کیا گیا ہے کہ رشتہ داروں کو بہت دفعہ ماں باپ یا خاوند کے نہ ہونیکی وجہ سے اولاد یا بیواؤں کی خبر گیری کرنی پڑتی ہے اور وہ بھی گویا ایک قسم کے ماں باپ ہی ہوتے ہیں کیونکہ انکو وقت پر ماں باپ کا ہی کام کرنا پڑتا ہے اسلیئے فرمایا کہ جب رشتہ داروں کے اوپر یہ حق رکھا گیا ہے کہ ضرورت کے وقت وہ ایک دوسرے کی اولاد کی کفالت کریں تو انکا حق ہے کہ انکے ساتھ خاص طور پر نیک سلوک کیا جائے اس حکم کے علاوہ اور بھی بہت سے احکام ہیں جنمیں رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنیکا حکم دیا گیا ہے ایک دفعہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کوئی ایسا عمل مجھے بتائیں جس سے میں جنت کا وارث ہو جاؤں فرمایا کہ وہ عمل یہ ہے کہ تو خدا کی عبادت کر اور اس کا شریک کسی کو نہ بنا اور نماز پڑھ اور زکوٰۃ دے اور رشتہ داروں سے نیک سلوک کر۔

* الروم ع۴

ہمسایہ اور شریک سے نیک سلوک کا حکم

قرابت داروں کے علاوہ جن کا تعلق انسان کے ساتھ خون کے ذریعہ سے ہوتا ہے ایک اور قسم کے بھی قریبی ہوتے ہیں جن کو بوجہ خونی رشتہ کے تعلق نہیں ہوتا لیکن قرب مکانی کے لحاظ سے وہ بھی قریبی ہوتے ہیں اسلیئے اسلام نے انکو بھی فراموش نہیں کیا چنانچہ اسکے متعلق حکم دیا ہے کہ واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئاً وبالوالدین احسانا وّبذی القربٰی والیتٰمٰی والمسٰکین والجار ذی القربٰی والجار الجنب والصاحب بالجنبِ وابن السبیل وما ملکت ایمانکم ان اللہ لا یحب من کان مختالاً فخوراً* یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور کسی کو اسکا شریک نہ کرو اور والدین کے ساتھ احسان کا معاملہ کرو اور قریبیوں سے بھی احسان کا معاملہ کرو اور یتامیٰ اور مساکین سے اور ہمسایہ سے جو دیوار بدیوار رہتا ہے اور اس سے بھی جو فاصلہ پر ہے احسان کرو یعنی جسکا مکان ساتھ تو نہیں لیکن ایک محلہ میں یا ایک گاؤں میں رہتا ہے یا پاس کے گاؤں میں رہتا ہے اور اس شخص کے ساتھ بھی نیک سلوک کرو جو تمھاری تجارت میں شریک ہے یا ایک جگہ پر تمھارے ساتھ ملازم ہے یا تمھارا رفیق سفر ہے۔ یہ وہ تعلیم ہے جو ہمسایہ اور شریک کے متعلق کہ ایک بوجہ مکان کے پاس رہنے کے اور دوسرا بوجہ کسی کام میں اسکا ساتھی ہوجانیکے قریبیوں میں شامل ہوجاتا ہے اسلام نے دی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے جبریل نے ہمسایہ سے نیک سلوک رکھنے کی اسقدر تاکید کی اور اتنی دفعہ کی کہ مجھے خیال ہوگیا کہ شاید ہمسایہ کو وارث قرار دیدیا جائیگا اسی طرح ہم سفروں کے متعلق آپنے فرمایا کہ جو شخص اونٹنی پر سوار ہو اور دوسرے آدمی کی جگہ خالی ہو تو چاہیئے کہ کسی ہم سفر کو اپنے ساتھ سوار کرلے اور جو شخص کہ سفر پر ہو اور اس کے پاس کچھ زیادہ کھانا ہو وہ اپنے ہم سفر کو شریک کرلے ہم سفر کے علاوہ ایک مجلس میں بیٹھنے والوں کے متعلق بھی اسلام نے نیک سلوک کا حکم دیا ہے چنانچہ فرمایا کہ یاایّھا الذین اٰمنوا اذا قیل لکم تفسّحوا فی المجالس فافسحوا یفسح اللہ لکم* یعنی اے

*النساء ع ۶ - *المجادلہ ع ۲

مومنو! جب تم کسی مجلس میں بیٹھے ہوئے ہو اور کوئی اور آدمی آکر کہے کہ ذرہ کھل جاؤ اور ہمیں بھی جگہ دو تو چاہیئے کہ تم سمٹ کر جگہ دیدیا کرو خدا تعالیٰ تم کو اپنے قرب میں جگہ دے گا۔ اسی طرح ہم مجلس کی فیلنگز کا خیال رکھنے کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جب ایک جگہ پر تین آدمی بیٹھے ہوا کریں تو دو ملکر سرگوشیاں نہ کیا کریں کیونکہ اس سے تیسرے کو تکلیف ہوتی ہے۔

بڑوں کے ساتھ چھوٹوں کا معاملہ اور

چھوٹوں کے ساتھ بڑوں کا معاملہ

علاوہ ان تفصیلی احکام کے ان تمام تعلقات کے متعلق جو اوپر بیان ہوئے ایک عام حکم بھی اسلام نے دیا ہے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا یعنی جو چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور بڑوں کا ادب نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں اسی مختصر مگر جامع فقرہ میں تمام ان تعلقات کی تشریح کردی جو چھوٹوں اور بڑوں کے متعلق ہیں۔

مہمان کے ساتھ نیک سلوک

جہاں اور متعلقین کے ساتھ اسلام نے نیک سلوک کا حکم دیا ہے وہاں مہمان کو بھی فراموش نہیں کیا چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلیکرم ضیفہ۔ یعنی جو شخص اللہ اور یوم آخر پر ایمان لاتا ہے اُسے چاہیئے کہ اپنے مہمانوں کی عزت کرے۔

دشمن کے ساتھ تعلّق

دوستی اور محبت کے تعلق علاوہ ایک تعلق انسان کا دشمن سے بھی ہوتا ہے اور اور یہ تعلق ایسا ہے کہ اسی میں پڑکر انسان کا حال معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اندر کہاں تک شفقت علیٰ خلق اللہ کا مادہ رکھتا ہے کیونکہ جہاں محبت ہوتی ہے وہاں تو انسان محبت کی وجہ سے نیک سلوک کرنے پر مجبور ہوتا ہے جہاں محبت نہ ہو بلکہ عداوت ہو ایسی جگہ پر

انسان کی قلبی کیفیت کا علم ہو سکتا ہے پس وہ مذہب جو دشمنوں کے متعلق بھی ایسی تعلیم دے جو شفقت اور رحمت والی ہو اور ہر ایک فساد اور شر سے پاک ہو وہی مذہب اس قابل ہے کہ دنیا کی اصلاح کا کام اسکے سپرد کیا جائے مختلف مذاہب نے دشمنوں کے متعلق مختلف تعلیمیں دی ہیں لیکن ایک ادنیٰ غور سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جو تعلیم اسلام نے اپنے دشمنوں سے سلوک کے متعلق دی ہے وہی ایسی تعلیم ہے جو ہر ایک زمانہ اور ہر ایک ملک کی اصلاح کا باعث ہو سکتی ہے اور جسکے ذریعہ سے دنیا میں امن وامان قائم ہو سکتا ہے۔ اسلام دشمنی اور عداوت کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے ایک دینی اور ایک دنیاوی دینی عداوت سے مراد وہ عداوت ہے جس کا باعث اختلاف مذہبی ہو۔ اور دنیاوی عداوت سے مراد وہ عداوت ہے جس کا باعث کوئی دنیاوی جھگڑا یا فساد ہو۔ ان دونوں قسم کی عداوتوں کے متعلق اسلام نے مختلف احکام دیئے ہیں اسلیئے ان دونوں کا ذکر الگ الگ کیا جائے گا۔ پہلے ہم دنیوی عداوت کو لیتے ہیں کہ اسکے متعلق اسلام کا کیا حکم ہے سو یاد رہے کہ وہ عداوت جس کا باعث کوئی دنیاوی جھگڑا یا فساد ہو اسلام نے دو قسموں میں تقسیم کی ہے ایک وہ جس کا تعلق دل کے ساتھ ہے اور ایک جسکا تعلق اعمال کے ساتھ ہے جس کا تعلق قلب کے ساتھ ہے اسکے متعلق اسلام کا یہ حکم ہے کہ تم اسکی بالکل پرواہ نہ کرو اور ہرگز کسی شخص کا بغض اپنے دل میں نہ رکھو حتیٰ کہ یہ بھی منع فرمایا کہ اگر کسی شخص سے جھگڑا ہو جائے تو اس سے کلام ترک کردے بلکہ فرمایا کہ تین دن سے زیادہ کسی شخص سے کلام ترک کرنا منع ہے پھر فرمایا کہ جو شخص کسی سے جھگڑا ہو جانے پر سب سے پہلے اپنے دل سے بغض نکالکر اس سے صلح کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے رحم کا مستحق ہوتا ہے غرض قلبی عداوت سے اسلام قطعی طور پر روکتا ہے اور بڑے زور سے اپنے پیروؤں کو اس سے باز رکھتا ہے کیونکہ یہ انسان کے لیئے ایک زہر کی طرح ہوتی ہے جو اندر ہی اندر اسکے تمام اخلاق حسنہ کو برباد کر دیتی ہے اور اس کا نتیجہ خطرناک فتن ہوتے ہیں جو نسلاً بعد نسلٍ چلتے ہیں اور قوموں کو تباہ کر دیتے ہیں۔ یہ تعلیم تو وہ ہے جو اسلام نے اس عداوت کے متعلق دی ہے جس کا مرکز قلب ہوتا ہے۔ باقی رہی وہ عداوت جو

اعمال سے تعلق رکھتی ہے یعنی ذہنی اور خیالی عداوت نہ ہو بلکہ عملی طور پر ظاہر ہو یعنی ایک شخص ظلم سے کسی کو نقصان پہنچاتا ہو اور اسے دکھ دیتا ہو تو اسکی نسبت اسلام نے پہلا حکم تو یہ دیا ہے کہ دل میں بغض تو ایسے شخص کے متعلق بھی نہ رکھے کیونکہ کینا رکھنا ہر حال میں منع ہے کیونکہ وہ فتنوں کا پیدا کرنیوالا ہے اور اخلاق کا بگاڑنیوالا ہے باقی رہا دشمن کی عملی شرارت کا بدلہ۔ سو اسکے متعلق دو حکم ہیں ایک یہ کہ عفو کرو دوسرا یہ کہ سزا دو اور یہ دونوں حکم مختلف موقعوں کے متعلق ہیں کسی موقعہ پر عفو کا حکم ہے اور کسی موقعہ پر سزا کا حکم ہے اور یہ دونوں حکم اور انکا موقعہ اس آیت میں بیان کیئے گئے ہیں وجزآء سیّئة سیّئة مثلها فمن عفا و اصلح فاجره علی اللّٰه انه لا یحب الظّٰلمین٭ یعنی برائی کی سزا اتنی ہی ہوتی ہے جتنی کہ بدی ہو لیکن جو شخص کہ معاف کر دے ایسی صورت میں کہ اسکے عفو سے اصلاح ہوتی ہو پس اس کا اجر اللہ پر ہے اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک دشمن کی شرارت کے مقابلہ میں دو قسم کے سلوک کا ایک مومن کو حکم دیا ہے۔ ایک یہ کہ اسی قدر سزا اسے دلوا دو دوسرے یہ کہ اسے معاف کر دو اور دونوں کا موقعہ بھی بتا دیا ہے اور وہ یہ کہ جہاں امید ہو کہ معاف کرنے سے اصلاح ہوتی ہے وہاں معاف کر دینا چاہیئے اور جہاں معاف کرنے سے اصلاح نہ ہوتی ہو وہاں سزا دلانی چاہیئے اور یہ حکم درحقیقت دو قسم کی طبائع کے لوگوں کے لیئے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ انسانوں میں سے دو قسم کے انسان ہیں ایک ایسے ہیں کہ جب انکے قصور کو نظر انداز کیا جائے اور باوجود انکی شرارت کے ان سے چشم پوشی کی جائے تو انپر ایسا اثر ہوتا ہے کہ وہ آیندہ دشمنی سے باز آجاتے ہیں اور اپنے کیئے پر سخت پشیمان ہوتے ہیں اور بجائے دشمن کے دوست بنجاتے ہیں چنانچہ یہ وجہ بھی خود قرآن کریم نے ہی بیان فرمائی ہے جیسا کہ فرمایا ولا تستوی الحسنة ولا السیّئة٭٭ ادفع بالتی هی احسن فاذا الذی بینك و بینه عداوة کانه ولی حمیم۔ یعنی نیکی کرنی اور بخش دینا اور سزا دینی ایک نہیں ہو سکتے پس تو اپنے

٭ الشوریٰ ع ۴ ـ ٭٭ فصلت ع ۵

دشمن کی شرارت کا نیک سلوک کے ساتھ جواب دے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس شخص کے ساتھ تیرا تعلق عداوت تھا وہ ایک گہرا دوست بنجائیگا۔ اس آیت سے معلوم ہوجاتا ہے کہ عفو میں اللہ تعالیٰ نے کونسی حکمت رکھی ہے اور اس سے کیا غرض ہے پس عفو جیسا کہ پہلی آیت سے ظاہر ہے اسی وقت کرنا چاہیئے جب اس میں اصلاح ہوتی ہو اور جب عفو سے اصلاح نہ ہوتی ہو بلکہ وہ شخص اور بگڑتا ہو تو اسوقت سزا دینی چاہیئے کیونکہ اسوقت عفو کرنا درحقیقت اس شخص پر بھی اور دیگر بنی نوع انسان پر بھی ظلم کرنا ہے کیونکہ ایسے شخص کو عفو کرنیکا ...... جو عفو سے اور بھی تیز ہوتا ہے اور بغیر سزا کے مانتا ہی نہیں یہ نتیجہ نکلیگا کہ وہ شرارت پر اور دلیر ہوجائیگا اور دوسرے لوگوں پر بھی زیادتی کریگا اور جس سے ذرہ اس کا جھگڑا ہوگا اسے تباہ اور برباد کرنیکی کوشش کریگا اور اس طرح دنیا میں فتنہ ترقی کریگا اور اس تمام فتنہ کا باعث یہی شخص ہوگا جس نے ایسے شریر آدمی کو جو دوسروں کو دُکھ دیتا ہے اور انپر ظلم کرتا ہے خالی چھوڑ دیا اور باوجود اس بات کے تجربہ کے کہ عفو سے وہ نہیں مانتا اس سے درگذر کیا۔ اس موقعہ پر شائد کسی کے دل میں یہ خیال گذرے کہ کسی شخص کو کیا معلوم ہوسکتا ہے کہ جس شخص سے میرا معاملہ پڑا ہے وہ سزا سے مانیگا یا عفو سے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات تجربہ سے معلوم ہوگی اگر دو تین دفعہ کے تجربہ سے معلوم ہوجائے کہ فلاں شخص عفو اور درگذر سے اپنی اصلاح نہیں کرتا تو پھر اسکو سزا دینا ہی بہتر سمجھے۔ اور اگر تجربہ سے اس کا عفو اور درگذر سے اپنی دشمنی اور شرارت سے باز آجانا ثابت ہو تو درگذر ہی کرے اور یہی وہ تعلیم ہے جو میانہ روی اور انصاف پر مبنی ہے اور اسکے سوا اگر کوئی تعلیم ہو تو ضرور وقتی ہی کہلا سکتی ہے۔ مثلاً یہود کو بوجہ ایک مدت تک محکومیت میں رہنے کے سزا دینے اور بدلہ لینے کی بہت تاکید کیگئی تھی تاکہ انکے اندر جوش اور ہمت پیدا ہو چنانچہ اس تعلیم کا یہ نتیجہ نکلا کہ تھوڑی ہی مدت میں حضرت موسیٰؑ کے زمانہ کے بنی اسرائیل اپنی کمزوری سے پاک ہوگئے ورنہ انکی یہ حالت تھی کہ جب فرعون نے انکو آگھیرا تو باوجود فرعون کے مظالم کے

ان میں سے بہت تھے جو اس بات پر راضی ہو گئے تھے کہ ہم واپس چلے جاتے ہیں اور یہ حالت اسی وقت قوم میں پیدا ہوتی ہے کہ جب وہ حد درجہ کی بزدل ہو جاوے ورنہ اپنے ظالم اور چھیڑنے والے سے تنگ آ کر ایسے جانور بھی مقابلہ کرنیکے لیئے تیار ہو جاتے ہیں جو شکاری جانور نہیں ہوتے حالانکہ وہ اپنے دشمن کے مقابلہ میں کوئی بھی ہستی نہیں رکھتے۔ پس بنی اسرائیل میں سے کئی قبائل کا واپس جانیکے لیئے تیار ہو جانا اور پھر ہر موقعہ پر ڈرنا بتاتا ہے کہ اسوقت وہ جرأت و بہادری کے لحاظ سے نہایت گری ہوئی حالت میں تھے۔ پس انکے اُبھارنے اور بڑھانے کے لیئے اسی بات پر زور دینے کی ضرورت تھی کہ تم بدلہ ضرور لو اور اسوقت کے مناسب حال یہی حکم تھا کہ "اور تیری آنکھ مروّت نہ کرے کہ جان کا بدلہ جان آنکھ کا بدلہ آنکھ دانت کا بدلہ دانت ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہوگا۔" استثنا ۱۹ باب آیت ۲۱ لیکن جب ایک زمانہ گذر گیا اور نسلاً بعد نسلٍ بنی اسرائیل نے اس قاعدہ پر عمل کیا تو انکے اندر ایک قسم کی خونخواری اور سخت دلی پیدا ہو گئی اور اسکے دور کرنیکے لیئے حضرت مسیحؑ کے ذریعہ یہ اعلان کرایا گیا کہ "تم سن چکے ہو کہ کہا گیا آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت پر میں تمھیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے داہنے گال پر تمانچہ مارے دوسرا بھی اسکی طرف پھیر دے اور اگر کوئی چاہے کہ تجھ پر نالش کرکے تیری قبا لے کُرتے کو بھی اسے لینے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار لیجاوے اسکے ساتھ دو کوس چلا جا جو کوئی تجھ سے کچھ مانگے اسے دے اور جو تجھ سے قرض چاہے اس سے منہ نہ موڑ۔ تم سن چکے ہو کہ کہا گیا اپنے پڑوسی سے دوستی رکھ اور اپنے دشمن سے عداوت۔ پر میں تمھیں کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں کو پیار کرو اور جو تم پر لعنت کریں انکے لیئے برکت چاہو جو تم سے کینہ رکھیں انکا بھلا کرو اور جو تمھیں دکھ دیں اور ستا دیں انکے لیئے دعا مانگو۔" متی باب ۵ آیت ۳۸ تا ۴۴۔ اس اعلان پر جن لوگوں نے کان دھرے انھوں نے اسپر عمل کرنیکی بدولت اپنے اندر سے اس خونخواری کو نکال پھینکا جو اسوقت کے بنی اسرائیل کے دلوں میں پیدا ہو گئی تھی اور

رفتہ رفتہ ایک جماعت ایسے لوگوں کی پیدا ہوگئی جو بجائے لڑنے اور جھگڑنیکے محبت و پیار کرنیوالے تھے لیکن کیا یہ تعلیم ہمیشہ کے لیئے اور ہر ملک کیلیئے ہو سکتی تھی کیا اس سے دنیا میں امن قائم ہو سکتا تھا اور بنی نوع انسان کی اصلاح ممکن تھی؟ اپنے وقت میں اس تعلیم سے بے شک نہایت عمدہ اور نیک نتائج پیدا ہوئے لیکن اس کا رواج انہی میں دیا جا سکتا تھا جو موسوی تعلیم پر عمل کرتے کرتے دوسری حد پر پہنچ گئے تھے ورنہ سب دنیا میں اسپر عمل ہرگز نہیں ہو سکتا تھا نہ اُسوقت نہ اس کے بعد۔ پس ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے دنیا کیلیئے کوئی ایسی تعلیم آتی جو دونوں پہلوؤں پر مشتمل ہوتی اور ہر ایک موقعہ و محل کے مناسب انسان کو ہدایت کرتی چنانچہ قرآن کریم آیا اور جیسا کہ ابھی آپ لوگوں کے سامنے پڑھا گیا ہے قرآن کریم نے ایک طرف تو موسوی شریعت کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ شریر اور بدکار کو اسکی بدی کے اندازہ کے مطابق سزا دو اور دوسری طرف مسیحی تعلیم کو بھی پیش کیا کہ تو بدی کے بدلہ میں اعلیٰ سے اعلیٰ نیک سلوک کر اور ان دونوں تعلیموں سے زائد بات یہ بیان فرمادی کہ جہاں سزا سے اصلاح ہوتی ہو وہاں سزا دی اور جہاں عفو سے اصلاح ہوتی ہو وہاں عفو کر غرض دونوں سلوکوں میں سے جو سلوک بھی اس شخص کے مناسب حال ہو اس سے کر۔ تا دنیا میں حقیقی امن قائم ہو اور دنیا سے ظلم اور بیجا عداوت دور ہو۔ اور یہی تعلیم ہے جو درمیانی ہے اور ہر زمانہ اور ہر ملک کے لیئے مفید ہو سکتی ہے اور ایک ادنیٰ سے غور سے بھی انسان معلوم کر سکتا ہے کہ اس تعلیم کے بغیر اور کوئی تعلیم نہیں جسے سب دنیا میں رائج کیا جا سکے اور جسپر عمل کرنے سے انسانی طبیعت کے ایک طرف جھک جانیکا خطرہ بالکل مٹ جائے۔ ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ ایسی کامل تعلیم اور کسی مذہب میں موجود نہیں اور اگر ہے تو اس مذہب کے پیروؤں کو چاہیئے کہ ان تمام شرائط کے ساتھ مشروط تعلیم اپنی مذہبی کتب سے بھی دکھائیں۔ دنیا میں تین ہی قسم کے مذہب نکلیں گے یا وہ جو کہتے ہیں کہ تو بدی کے بدلہ میں بدی کر۔ یا وہ جو کہتے ہیں کہ تو بدی کے بدلہ میں بھی نیکی ہی کر۔ یا وہ جو بلا کسی شرط کے یہ بھی کہتے ہیں کہ تو معاف کر

اور یہ بھی کہ سزا دے لیکن سوائے اسلام کے ایسا کوئی مذہب پاؤ گے جو انسان کو یہ بھی بتاتا ہو کہ تُو سزا کس وقت دے اور معاف کس وقت کرے۔ اور جبتک مذہب انسان کو اس بات کی بھی ہدایت نہ کرتا ہو اسوقت تک اسکی تعلیم کامل نہیں کہلا سکتی۔

مذہبی عداوتیں

اس بیان کے بعد اب ہم مذہبی اعداء کو لیتے ہیں کہ انکے ساتھ کس قسم کے سلوک کا اسلام نے حکم دیا ہے سو یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام مذہبی اختلاف اور عداوت کو دو الگ الگ چیزیں قرار دیتا ہے۔ اسلام ہمیں یہ تعلیم نہیں دیتا کہ جن لوگوں کو تم سے مذہباً اختلاف ہو تم انکو اپنا دشمن سمجھو اور ان سے دشمنوں کا سا سلوک کرو بلکہ اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ تم تمام مذاہب کے پیروان کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا سلوک کرو اور مذہبی اختلاف کو عداوت نہ سمجھو اور ایسے لوگ جو مذہبی طور پر تم سے کوئی عداوت نہیں رکھتے اور تم پر مذہبی اختلافات کی وجہ سے کوئی ظلم نہیں کرتے ان سے بیشک احسان اور مروّت سے پیش آؤ اور ان سے نیک معاملہ کرو اور انصاف کے ساتھ ان سے سلوک کرو۔ لیکن جو لوگ کہ دین کے معاملہ میں جبر سے کام لیتے ہیں اور اپنے عقیدہ کے خلاف کوئی اور عقیدہ نہیں دیکھ سکتے ان سے بالکل قطع تعلق رکھو کیونکہ یہ بات غیرت کے خلاف ہے کہ ایک شخص تمہارے دین کو تلوار کے ساتھ مٹانا چاہے اور خدا اور اسکی کتاب کو گالیاں دے اور تم اس سے دوستی رکھو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدّین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ط ان اللہ یحب المقسطین ہ انما ینھٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدّین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولٰئک ھم الظّٰلمون ہ (الممتحنہ ع ۲) یعنی اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں سے جو دین کے معاملہ میں تم سے نہیں لڑتے اور جنہوں نے دینی عداوت سے تم کو گھروں سے نہیں نکالا نیکی اور سلوک کا معاملہ کرنے سے نہیں روکتا بلکہ اللہ تعالیٰ تو عدل و انصاف کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے۔ ہاں وہ ان لوگوں کیساتھ دوستی و تعلق رکھنے سے روکتا

ہے جو تم سے اسلیئے جنگ کرتے ہیں کہ تم نے یہ دین کیوں اختیار کر لیا اور تم کو اسی باعث سے گھر سے بھی نکال دیا اور تمہارے دشمنوں کے مددگار ہوئے۔ ایسے لوگوں سے جو دوستی کرتا ہے وہ ظالم ہے کیونکہ وہ اسے اسکے فعلِ بد پر اُکسانے کا باعث ہوتا ہے اور اسکے عمل سے اس دشمنِ دین کے دل میں خیال پیدا ہوگا کہ دیکھو باوجود اسکے کہ میں انکے دین کو گالیاں دیتا ہوں یہ شوق سے ملتا ہے تو ضرور ہے کہ یہ مجھ سے متأثر ہو جائے۔ اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جب ایک شخص غیرت سے خالی ہو جائے تو رفتہ رفتہ وہ دوسروں کے خیالات سے متأثر ہو جاتا ہے پس حفاظت دین کیلیئے اور غیرت جیسے اعلیٰ درجہ کے خلق کو زندہ رکھنے کیلیئے ایسی تعلیم دینی ضروری تھی کہ جو شخص دین کے معاملہ میں لڑنے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور اپنے عقیدہ کے خلاف عقیدہ سُن کر ایسا آگ بگولہ ہو جاتا ہے کہ انسانیت کے معمولی شرائط کو بھی پورا نہیں کر سکتا وہ کب اس لائق ہو سکتا ہے کہ اسکے ساتھ دوستی رکھی جائے اور اگر کوئی شخص پھر بھی اس شخص سے محبت رکھتا ہے تو ضرور اسکا دل غیرت سے خالی ہے غرض اس تعلیم میں بھی اسلام نے افراط تفریط دونوں باتوں کو چھوڑ کر درمیانی راہ اختیار کی ہے اور ایک طرف تو محبت اور پیار کو قائم کیا ہے اور دوسری طرف غیرت کو جو اخلاق حسنہ سے ہے اور جسکے بغیر انسان حیوانوں کی طرح ہو جاتا ہے زندہ رکھا ہے تا نہ ہو کہ اسلام کا پیرو کسی ایک طرف جُھک جائے۔ اور یہ وہ تعلیم ہے کہ جس کا مقابلہ نہ تو وہ مذاہب کر سکتے ہیں جو غیر مذاہب کے ساتھ کسی قسم کا تعلق جائز نہیں قرار دیتے اور نہ وہ جو باوجود شدید سے شدید مذہبی عداوت کے پھر بھی محبت کا حکم دیتے ہیں کیونکہ وہ انسانی فطرت کو توڑتے ہیں جسکا نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکل سکتا۔

عام بنی نوع انسان سے سلوک

اس کے بعد اب مَیں ان لوگوں کے متعلق اسلام کی تعلیم پیش کرتا ہوں جنسے انسان کسی قسم کا ذاتی تعلق نہیں رکھتا۔ چنانچہ اس قسم میں سے سب سے اوّل تو یتامیٰ اور مساکین ہیں گو یتیم اور مسکین ایک رشتہ دار بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن چونکہ یتیم اور مسکین کے ساتھ سلوک کرنے میں اسلام نے کوئی شرط نہیں لگائی کہ وہ کن میں سے ہو اسلیئے

میں انکو عام مخلوق کے عنوان کے نیچے ہی رکھتا ہوں کیونکہ اکثر اوقات جن یتامیٰ اور مساکین سے پالا پڑتا ہے وہ غیر ہی ہوتے ہیں ان دونوں قسموں کے متعلق اسلام میں نہایت وسیع احکام ہیں جنہیں اسوقت بیان نہیں کیا جاسکتا کیونکہ آگے ہی مضمون بہت لمبا ہوگیا ہے اسوقت صرف اسقدر ہی بیان کردینا کافی ہے کہ یتامیٰ اور مساکین سے نیک سلوک کرنیکا اسلام میں نہایت زور سے حکم دیا گیا ہے چنانچہ بعض اسکے متعلق اوپر مضامین آچکے ہیں اسجگہ صرف یہ بات ہی لکھ دینی کافی ہوگی کہ قرآن کریم یتامیٰ کے ساتھ نیک سلوک نہ کرنیکو ان اعمال میں سے قرار دیتا ہے جن کا نتیجہ ذلّت و رسوائی ہوتا ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ بعض لوگوں پر عذاب آتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ خدا نے ہمارے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے لیکن خدا تعالیٰ انکی نسبت فرماتا ہے کلا بل لا تکرمون الیتیم (الفجر) یہ بات نہیں جو تم کہتے ہو بلکہ بات یہ ہے کہ تم یتامیٰ کی خبر گیری نہیں کرتے تھے بلکہ انکو بے بس دیکھ کر انکی طرف التفات ہی نہ کرتے تھے۔ مساکین کی نسبت فرماتا ہے کہ انسے سلوک نہ کرنا ان افعال میں سے ہے جو انسان کو دوزخی بنا دیتا ہے چنانچہ بعض جہنمیوں کی نسبت فرماتا ہے ولا یحض علی طعام المسکین ہ فلیس له الیوم ھٰھنا حمیم (الحاقۃ) چونکہ وہ مساکین کی خبر گیری کی تحریک نہیں کرتے تھے اسلئے خدا تعالیٰ نے بھی انکی مدد نہ کی ورنہ خدا تعالیٰ انکو عذاب سے بچاتا۔

یتامیٰ اور مساکین کے علاوہ دیگر بنی نوع انسان سے سلوک کے متعلق تعلیم

ان احکام میں سے جو اسلام نے عام بنی نوع انسان کے متعلق دیئے ہیں ایک یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اتفاقاً کسی انسان کی بدی پر آگاہ ہوجائے تو اسپر پردہ ڈالدے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا یستر عبدٌ عبداً فی الدنیا الا سترہ اللہ فی یوم القیٰمۃ یعنی کوئی بندہ کسی بندہ کا کوئی عیب چھپائے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسکے عیب چھپائیگا۔

اسی طرح یہ تعلیم ہے کہ کسی انسان سے بھی ایک مسلمان کو سود لینا جائز نہیں

بلکہ اگر کوئی حاجتمند ہو تو جہانتک ہو سکے اسکی مدد کرے یا اسے قرض دے کہ سود ایک زیادتی ہے جو ایک انسان دوسرے انسان پر کرتا ہے کیونکہ جس وقت اس کا ایک بھائی حاجتمند ہوتا ہے اسوقت وہ اس سے اور مال بھی چھیننا چاہتا ہے۔

انہی تعلیموں میں سے یہ تعلیم بھی ہے کہ کسی شخص کو ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب و پاخانہ کرنیکی اجازت نہیں کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بعض لوگ اگر ضرورةً ایسے پانی کو استعمال کرینگے تو بوجہ نجس ہونیکے نقصان اٹھائیں گے۔ پھر انہی تعلیموں میں سے جو اسلام نے عام بنی نوع انسان کی بہتری کے لیئے دی ہیں یہ بھی ہے کہ کسی شخص کو سایہ دار درخت یا راستہ یا پانی کی گھاٹ پر پاخانہ پھرنے کی اجازت نہیں کیونکہ اس سے تھکے ماندے ہوئے مسافروں اور راستہ چلنے والے لوگوں اور پیاسوں کو ایذا پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں اسلام کی یہ تعلیم بھی کہ مساجد میں کوئی بدبودار شئے کھا کر یا ایسی چیز استعمال کر کے نہ آؤ جسکے بعد بدبودار ڈکار آئیں یا منہ سے بو آئے انہی تعلیمات میں سے ہے جن کی غرض عام بنی نوع انسان پر شفقت ہے کیونکہ ایسا کرنے سے بہت سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے اور مساجد کا نام تو اس لیئے لیا گیا ہے کہ مسلمانوں کا اجتماع مساجد میں ہی ہوتا ہے ورنہ یہ حکم عام ہی ہے اور یہ ایسا ضروری حکم ہے کہ آج حکام ریلوے کو یہ قانون بنانا پڑا ہے کہ ریل میں کوئی شخص سیگرٹ نہ پیئے کیونکہ اس سے سکھوں کو تکلیف ہوتی ہے اگر اسلام ہی کی تعلیم پر عمل کیا جائے تو ان باتوں کے لیئے کسی مزید قانون کی ضرورت نہیں اور جو اثر انسان کے اعمال پر مذہب کر سکتا ہے قانون ہرگز نہیں کر سکتا۔

پھر انہی تعلیمات میں سے ایک یہ تعلیم بھی ہے کہ جب کسی جگہ پر کوئی وبا پڑی تو لوگوں کو اجازت نہیں کہ اس جگہ سے بھاگ کر دوسری شہروں میں چلے جائیں کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دوسرے محفوظ علاقوں میں بھی وہ مرض پھوٹ پڑیگا۔ اس حکم کی خوبی پچھلے دنوں ہندوستان کافی طور پر دیکھ چکا ہے کیونکہ طاعون کی کثرت ہندوستان

میں اسی حکم پر عمل نہ ہونیکے باعث ہوئی ہے جب ایک جگہ طاعون پڑتی تھی تو وہاں کے لوگ بھاگ کر دوسرے شہروں میں چلے جاتے تھے اور طاعون کا اثر وہاں بھی ہو جاتا تھا اگر ہندوستان مسلمان ہوتا اور وہ اس حکم پر عمل کرتا تو سمجھ سکتے ہو کہ یہ وبا کس طرح دبی رہتی۔ اس حکم کا یہ مطلب نہیں کہ شہر کو چھوڑ کر باہر ڈیرہ لگانا بھی منع کر دیا گیا ہے کیونکہ سنت صحابہؓ سے یہ بات ثابت ہے کہ طاعون وغیرہ وباؤں کے وقت جنگلوں میں پھیل جانا چاہیئے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایک وبا زدہ شہر سے نکل کر دوسرے محفوظ علاقوں میں نہیں جانا چاہیئے۔

اسی طرح اسلام بنی نوع انسان کی ہمدردی کے لیئے یہ حکم بھی دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص عام راستہ پر کوئی ایذا دینے والی چیز دیکھے تو اُسے چاہیئے کہ اسے راستہ سے ہٹا کر پرے کر دے مثلاً عین راستہ میں کوئی پتھر پڑا ہے یا کانٹے دار درخت کی شاخیں پڑی ہیں جن سے چلنے والوں کے گرنے یا زخمی ہونے کا خطرہ ہے تو چاہیئے کہ انکو وہاں سے ہٹا کر ایک طرف کر دیا جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کو صدقات میں شامل فرمایا ہے۔ اور یہ وہ تعلیم ہے جسکی مثال اور کوئی مذہب نہیں پیش کر سکتا۔

جانوروں سے نیک سلوک

اسلام نے جہاں انسانوں پر شفقت کا حکم دیا ہے وہاں جانوروں پر شفقت کی بھی سخت تاکید کی ہے چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وفی اموالھم حق للسائل والمحروم (الذاریت ع) یعنی مسلمان وہ ہوتا ہے کہ اسکے مال میں انکا جو سوال کر سکتے ہیں یعنی انسانوں کا اور انکا جو سوال نہیں کر سکتے یعنی جانوروں کا حق ہوتا ہے۔ یعنی مسلمان کا کام ہے کہ وہ اپنے مال میں محتاج انسانوں اور جانوروں کو بھی شریک کرے۔ اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ جانور کو ایذا دینی سخت منع ہے حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے انسان پر جو کسی جانور کو باندھ کر اسے نشانہ بناتا ہے لعنت کی ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جنہوں نے

جانوروں کے مُنہ پر نشان لگانا منع کیا کہ مُنہ ایک نازک جگہ ہے اسپر نشان نہ لگایا کرو اور آپنے جانوروں کی پچھلی ران کے اوپر کے سرے پر نشان لگانے کا حکم دیا جو رواج کہ اسوقت عام طور پر دنیا میں پایا جاتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ ایک عورت نے ایک بلّی کو بند کر دیا اور وہ بھوکی پیاسی مرگئی تو خدا تعالیٰ نے اسکو جہنّم میں ڈالا یعنی اس ظلم کا نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ ایسے اعمال میں پھنس گئی جن کا نتیجہ جہنّم ہُوا۔ غرض جانوروں سے بھی نیک سلوک کرنے اور انپر بے جا ظلم کرنے اور بے فائدہ تکلیف دینے سے اسلام نے روکا ہے اور اس طرح اپنی تعلیم کو ہر رنگ میں کامل کر دیا ہے اور کسی خاص بات پر ہی زور نہیں دیا بلکہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ اور اس کی ہر ضرورت کے متعلق مناسب اور عدل پر مبنی احکام بتائے ہیں جنپر عمل کرنے سے انسان اس دنیا اور اگلے جہان دونوں جگہ خوش و خرم ہوسکتا ہے پس اسلام ہی ایک مذہب ہے جو تمام دنیا کے لیئے قابل عمل ہے اور وہی ایک ایسا مذہب ہے جس کی تعلیم پر ہر ایک طبقہ اور ہر ایک طبیعت کے انسان عمل کر سکتے ہیں اور جس پر عمل کرکے کوئی مفسدہ پیدا نہیں ہوتا اور جو ہر زمانہ کے لیئے قابل عمل ہے اور اسی پر چلکر انسان نجات پا سکتا ہے اور جو خوبیاں تمام مذاہب مختلف طور پر رکھتے ہیں وہ سب کی سب اسمیں جمع ہیں اور یہ تمام مفید اور بابرکت تعلیمات کو اپنے اندر شامل رکھتا ہے اور چونکہ یہ خدا تعالیٰ کا بھیجا ہُوا آخری مذہب ہے اس لیئے اسی پر چلکر انسان نجات پا سکتا ہے اور یہی مذہب ہے جو انسان کو خدا تعالیٰ سے اسی دنیا میں ملا دیتا ہے اور ہمیشہ پھل دیتا ہے چنانچہ اسپر چلنے والے لوگ ہر زمانہ میں خدا تعالیٰ تک پہنچتے رہے ہیں اور یہ زمانہ بھی اس کے شیریں پھلوں سے خالی نہیں گیا اور خدا تعالیٰ نے اسی مذہب کے ایک پیرو حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو اس زمانہ کی اصلاح کے لیئے مسیح موعود اور

مہدی مسعود بنا کر بھیجا ہے۔ پس اے صداقت کے طالبو اور حق کے شیدائو اُٹھو اور تمام بند توڑ کر اور تمام قیود کو توڑ کر اس چشمۂ صافی کی طرف آؤ کہ تمہاری فطرت جس خوشی اور جس راحت اور جس تسلی کو چاہتی ہے وہ اس وقت صرف اسلام میں ہی ملتی ہے اور اسلام ہی ہے جو تمکو روحانی ترقی کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچا سکتا ہے کہ اسی دنیا میں تم خدا کو پا سکتے ہو اور شک و شبہ سے گذر کر یقین کا مرتبہ حاصل کر سکتے ہو ۔

ایک دلچسپ مباحثہ

(رقمزدہ شیخ عبد الخالق صاحب نومسلم)

بتاریخ ۱۷- مارچ ۱۹۱۶ء مجھے حسب حکم سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح ثانی رض بنگہ میں احمدیوں کی طرف سے بحیثیت مبلغ کے جانا پڑا۔ بنگہ پہنچنے پر وہاں کے سکرٹری میاں رحمت اللہ صاحب نے کہا۔ کہ عیسائیوں کے بڑے بڑے مناظر اور لیکچرار آئے ہوئے ہیں۔ عیسائیوں کا جلسہ نہیں۔ بلکہ ہمارے ساتھ باقاعدہ مناظرہ ہے۔ مختلف علاقہ جات کے مشہور مشہور پادری اور لیکچرار آئے ہوئے ہیں۔ خصوصاً مسٹر ایم۔ این ہیوز صاحب پلیڈر کپورتھلہ سٹیٹ اور پادری غلام مسیح صاحب پاسٹر لدھیانہ اور پادری گولکناتھ صاحب بی۔اے پھلوری وغیرہ - شرائط طے ہو چکی ہیں۔ صبح سے باقاعدہ کارروائی شروع ہوگی۔

چنانچہ عیسائیوں کا پہلا اجلاس بتاریخ ۱۸- مارچ ۱۹۱۶ء کی صبح کو منعقد ہوا۔ مشہور پادری غلام مسیح صاحب عیسائیوں کی جانب سے سٹیج پر آکھڑے ہوئے - انکا لیکچر پورے ۹ بجے سے شروع ہو کر پونے دس یعنی ۴۵ منٹ

بعنوان فضیلت انجیل از روئے بیرونی شواہد ہوتا رہا۔ چونکہ شرائط میں یہی مقرر تھا۔ کہ پہلے عیسائیوں کا لیکچرار ۴۵ منٹ تقریر کرے۔ اور پھر احمدیوں کی طرف سے ۳۰ منٹ یعنی آدھ گھنٹہ میں جواب دیا جاوے۔ پھر اس کے بعد دس دس منٹ باری باری بولیں۔ لہٰذا انہی شرائط کی پابندی ضروری تھی۔ اُس دن صرف عیسائیوں کی جانب سے پادری گولکناتھ صاحب بی۔ اے پریذیڈنٹ تھے۔

دلائل فضیلت انجیل از طرف پادری صاحب

پادری غلام مسیح صاحب پاسٹر لودھیانہ نے اپنی تقریر بعنوان فضیلت انجیل از روئے بیرونی شواہد شروع کی۔ آپنے بیان کیا۔ کہ اسوقت انجیل تقریباً ۳۷۸ زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ یہ ایک ایسی فضیلت انجیل کی ہے۔ جو کسی دوسری کتاب کو نصیب نہیں۔ پھر اسکی تعداد طبع کروڑہا جلدوں تک پہنچ چکی ہے۔ اور یہ بھی ایک ایسی فضیلت انجیل کو حاصل ہے۔ جو کسی دوسری کتاب کو آج تک نصیب نہیں ہوئی۔ سویم روپیہ جس قدر اسکی اشاعت پر خرچ ہوا ہے۔ کسی اور کتاب پر اس قدر روپیہ صرف نہیں ہوا۔ یہ ایک ایسی فضیلت انجیل کو ہے۔ جو دوسری کتب کو نہیں۔ چہارم۔ ریل۔ تار۔ چھاپہ خانے۔ سب انجیل کے واسطے ہی تیار ہوئے گویا اشاعت انجیل کے کام میں یہ سب اشیاء بطور خادم کے انجیل کو دی گئیں اور یہ بھی ایک بھاری انجیل کی فضیلت ہے۔ پادری صاحب نے اپنا سارا وقت (پون گھنٹہ) انہی ہر چہار دلائل پر (اگر ایسی عبارت پر دلیل کا لفظ بولنا جائز ہو) صرف کردیا۔ اور بار باران کا اعادہ کیا۔ اور آخر وقت کے ختم ہونے پر بیٹھ گئے۔

مینے پادریصاحب کا جواب دینا شروع کیا۔ مجھے جواب کے واسطے صرف آدھ گھنٹہ ملتا تھا۔ لہٰذا مینے اپنے وقت میں پادریصاحب کو بتایا۔ کہ پادری صاحب۔ دلیل وہ ہوتی ہے۔ جو ہر یک زمانہ میں ایک امر پر چسپاں ہو کر اسکی صداقت ثابت کرسکتی ہو۔ مگر آپ کے دلائل اس قسم کے نہیں۔

سُنیئے۔ جب انجیل اپنے ابتدائے وقت میں تھی۔ بلکہ تقریباً ستر ۱۷ سو سال
تک تو وہ صرف ایک یا دو زبانوں میں ترجمہ ہوئی تھی۔ تو کیا اسوقت اس کو
فضیلت حاصل نہ تھی یا کیا اسوقت یہ جھوٹی تھی۔

اور اگر آج چند برسوں سے اس کا ترجمہ ۳۷۸ زبانوں میں کیا جا چکا ہے۔ تو پھر
چند برس سے یہ سچی ہوئی۔ ابتدا میں سچی نہ تھی۔ اور اگر اب پھر چند سالوں کے بعد
وہی دَور ابتدائی شروع ہو جاوے۔ تو پھر یہ بے فضیلت ثابت ہو کر جھوٹی
ہو جائے گی۔

اور یہی حال اسکی تعداد طبع کا ہے۔ ابتدائے وقت میں اسکی اشاعت بالکل
محدود تھی تو پھر کیا اسوقت بوجہ محدود اشاعت اور تعداد طبع کے یہ انجیل
بوجہ نہ فضیلت رکھنے کے جھوٹی تھی۔ اور اگر پھر وہی ابتدائی وقت آجائے۔ تو پھر
اسکی کونسی فضیلت آپ ثابت کرینگے۔ پھر اسوقت یہ سچی نہیں ہوگی؟۔

پھر میں نے مثال سے اس دلیل کی واضح طور سے تردید کر دی اور پادری
صاحب کو سمجھایا کہ فرض کرو ایک متمول آدمی ایک نہایت لچر ناول یا اشتہار
۳۷۸ زبانوں سے زیادہ زبانوں میں ترجمہ کرکے اور انجیل کی تعداد طبع سے
زیادہ طبع کروا کر اسکی اشاعت کر دے۔ تو پھر اسوقت انجیل پر اسکو فضیلت
ہوگی۔ یا نہیں؟

باقی رہا کروڑہا روپیہ صرف کرنا۔ سو یہ فضیلت بھی چند برس سے حاصل
ہوئی ہے۔ ورنہ ابتدا میں تو کروڑ پیسہ بھی کسی نے کبھی خرچ نہ کیا۔ پھر اسوقت
اسکو کونسی فضیلت تھی؟ دوئم روپیہ کا ملنا انجیل کے رُو سے کوئی فضیلت کی
دلیل نہیں کیونکہ شیطان نے مسیح سے کہا تھا۔ کہ اگر تو مجھے سجدہ کر دے۔ تو
تمام دنیا کی بادشاہتیں اور شان و شوکت تجھے دیدونگا متی ۴/۹ پس
شیطان کو سجدہ کرنے سے کروڑہا نہیں۔ بلکہ دنیا کی ساری بادشاہتیں مل
سکتی ہیں۔ پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ دولتمندی پر فخر کرنا از روئے

تردید دلائل پیشکردہ پادری صاحب

انا انجیل نا داجب ہے۔ دیکھو مسیح کہتا ہے "اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گذرجانا اس سے آسان ہے۔ کہ دولتمند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو" متی ۱۹ ۲۴ پس کروڑہا روپے پر فخر نہ کیجئے۔

پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ جو لوگ انجیل پر کروڑہا روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ وہ خود انجیل کی کیسی عظمت کرتے ہیں۔ وہ اسکے احکام کی بالکل پرواہ نہیں کرتے۔ وہ خوب جانتے ہیں۔ کہ ہم میں سے کوئی نہیں۔ جو کرتے کیساتھ قبا دیدے۔ یا دہنی گال پر طمانچہ کھاکر دوسری بھی اسکی طرف پھیر دے۔ یا ایک کوس کے بدلے دو کوس بیگار جاوے۔ یا زمین پر اپنے لئے مال جمع نہ کرے۔ پس ان صاحبان کا یہ کروڑہا روپیہ خرچ کرنا۔ وہی مثال ہے۔ کہ میں صاحب ڈپٹی کمشنر کو پانصد روپیہ بطور نذرانہ دوں۔ مگر اسکے کسی ایک حکم پر بھی عمل نہ کروں۔ بلکہ اسے صحیح العقل انسان بھی نہ سمجھوں۔ پس پھر ڈپٹی کمشنر کی نظروں میں میری کیا عزت ہوگی لہٰذا انجیل پر ولایت والوں کا روپیہ خرچ کرنا یہ ثابت نہیں کرتا۔ کہ وہ واقعی دل سے اسکی عزت کرتے اور اسے وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ بلکہ انکی عملی حالت بتلاتی ہے۔ کہ وہ انجیل کو ایک ناقابل عمل کتاب سمجھتے ہیں۔ اور صرف قومی پالیسی کو مدِ نظر رکھ کر اسکی اشاعت کے واسطے کچھ دیدیتے ہیں۔

باقی رہا۔ ریل۔ تار اور چھاپہ خانے جو آپکے نزدیک اشاعت انجیل کے کام میں بطور ایک خادم کے خدا نے خود پیدا کردئیے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ قبل ازیں صدہا سال انجیل دنیا پر موجود تھی۔ پھر کیوں اسوقت یہ سب خادم اسکے واسطے نہ بنائے گئے۔ کیونکہ اگر یہ سب اسباب خدا نے صرف اشاعت انجیل کے مدد مقرر کر رکھے تھے۔ تو چاہیئے تھا کہ یہ خادم ابتدا سے ہی اسکے ساتھ پیدا کیئے جاتے۔ مگر ہرگز ہرگز اسکی ساتھ نہ تھے بلکہ آج کئی صدیوں کے بعد یہ خادم پیدا کیئے گئے۔ میں آپکو بتلاؤں یہ خادم انجیل کے نہیں۔ بلکہ یہ سب ذرائع اور وسائل یعنی ریل۔ تار چھاپہ خانے حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی معہود حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے خادم

ہیں۔ جو آپ کے پیدا ہونے سے پہلے ہی آپکی خدمت کرنیکے واسطے تیار کیے جا چکے تھے۔ کیونکہ ہم دنیا میں یہ قاعدہ دیکھتے ہیں۔ کہ بادشاہ کی آمد سے پہلے ہی ہر ایک قسم کا ضروری سامان لیس کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جب یہ روحانی بادشاہ دنیا پر آیا تو یہ سب خادم اشیاء دنیا پر موجود تھیں۔ اس بادشاہ روحانی نے انسے خوب خدمت لی۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں تمام دنیا میں اشاعت اسلام فرماکر اسلام کا بول بالا کر دکھایا۔ اور تمام دنیا کے سامنے اپنی نبوت و بعثت کی دعوت پیش کر دی۔ اور بہتوں نے ان ذرائع و سائل کی وجہ سے ایمان حاصل کر لیا۔ مگر بقول آپ کے اگر یہ سب چیزیں انجیل کی خادم تھیں۔ تو پھر کیوں ابتدائے وقت سے یہ اسکی خدمت کیواسطے مہیا نہ کی گئیں۔ کیا ابتداء میں انجیل کی اشاعت ضروری نہ تھی۔ آج سے چند سال پہلے سے یہ انجیل اس قابل ہوئی ہے۔ کہ اسکی اشاعت کیجاوے۔

موجودہ اناجیل کی عمر

پادری صاحب نے اپنے ابتدائی لیکچر میں بتایا تھا۔ کہ انجیل دو ہزار برس سے دنیا پر موجود ہے۔ اور اپنے اس دعوٰی کو مکرر سہ کرر اعادہ کر کے سنایا۔ کہ دو ہزار برس سے انجیل دنیا پر موجود ہے۔ مَیں نے پادری صاحب سے آخر میں یہ سوال بھی کیا تھا۔ کہ پادری صاحب اُنیس صد سولہ ۱۹۱۶ برس تو مسیح کو پیدا ہوئے گذرے۔ اور آپ کہتے ہیں۔ کہ دو ہزار برس سے انجیل موجود ہے۔ تو پھر ثابت ہوا۔ کہ مسیح سے ۸۴ سال قبل ہی انجیل موجود تھی۔ اور یہی انجیل کے معتبر ہونے پر کافی شہادت ہے۔

میں نے بتایا۔ کہ یورپ کے تمام مورخین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ مسیح سے ۳۲۵ برس بعد یہ مجموعہ اناجیل وغیرہ مرتب کیا گیا۔ اور بعضوں کے نزدیک ۲۲۲ سال بعد از مسیح اور بعض تھوڑے ہیں۔ جو یہ بھی مانتے ہیں۔ کہ ایکصد سال بعد از مسیح یہ کتب لکھی گئیں۔ مگر آپ ہیں۔ کہ مسیح کی منادی جو اس نے تیس برس کی عمر میں شروع کی تھی تو قا $\frac{3}{33}$ اُسے بھی بھولکر ۸۴ برس قبل از

پیدائش یسوع اناجیل کے موجود ہونے کے مقر۔ پس آپکی لیاقت کی ہم داد دیتے ہیں۔ اسکے بعد مینے بتلایا۔ کہ انجیل کی فضیلت اگر ثابت کرنی تھی۔ تو چاہیئے تھا کہ اس کی اندرونی فضیلت مثل تعلیم اور دیگر اخلاق کے پیش کرکے ثابت کیا جاتا کہ اسکو یہ فضیلت دیگر کتب پر ہے۔ مگر پادریصاحب نے ایسا نہیں کیا۔ اس کی مصلحت وہ خوب جانتے ہیں۔ لیکن میں بتاتا ہوں۔ کہ انجیل کا اندرونی حال یعنی تصویر کا دوسرا رُخ کیسا خوشنما ہے۔ اسپر مینے اناجیل کے نقیض ثابت کرنے شروع کیے۔ اور ابھی مَیں نقیض بتا رہا تھا۔ کہ پادری غلام مسیح صاحب نے اپنے پریسیڈنٹ پادری گولک ناتھ سے کہا۔ کہ یہ خلط مبحث ہے آپ منع کردیں وہ کیوں اندرونی نقائض وعیوب بیان کرتا ہے۔ اسپر پادریصاحب یعنی پریسیڈنٹ نے مجھے نوٹس دیا۔ کہ آپ انجیل کے اندرونی نقائض بیان کریں۔ چونکہ اس اجلاس میں ہماری طرف سے کوئی باقاعدہ پریذیڈنٹ نہ تھا۔ لہٰذا مَینے نقیض بیان کرنے چھوڑ دیئے۔

بعد اسکے کہ میرا وقت ختم ہوگیا تھا۔ پادری غلام مسیح نے اپنے دس دس منٹ میں بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے۔ کہ کسی طرح گلوخلاص ہو جاوے۔ مگر پادریصاحب ایسے پھنسے۔ کہ آجتک جناب کا دل اس تکلیف کو خوب اچھی طرح محسوس کرتا ہوگا۔ آخر جلسہ برخاست ہُوا۔

دوسرا اجلاس بتاریخ ۱۸۔ مارچ سنہ ۱۹۱۶ء بوقت ۴ بجے شام کے شروع ہُوا

؎ پادری غلام مسیح صاحب نے اپنی تقریر میں خاص زور اس امر پہ دیا تھا۔ کہ یہ انجیل تمام جہان کیواسطے ہے۔ مَینے جواب دیتے وقت بتایا تھا۔ کہ یہ انجیل تمام جہان کے واسطے ہرگز نہیں۔ کیونکہ مسیح خود متی ۱۵/۲۴ میں کہتا ہے "مَیں اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا" پس انجیل کس طرح تمام جہان کے واسطے ہوئی۔ پادری غلام مسیح صاحب نے سب سے پہلے اسی میری دلیل کو سنکر واویلا شروع کیا تھا۔ کہ یہ کیوں اندرونی مسائل بیان کرتے ہیں۔ اور پریذیڈنٹ گولکناتھ صاحب بی۔ اے مذکور کو کہا تھا۔ کہ میرا مدمقابل خلط مبحث کرتا ہے۔ اور پھر نقیض بتاتے وقت تو بہت شور وغوغا شروع کردیا۔ منہ

اس اجلاس میں باقاعدہ طور سے ہماری طرف سے بھی جناب ماسٹر محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور قادیان اور ایک غیر جانبدار پریذیڈنٹ لالہ کرپارام صاحب آریہ ٹیس ہگہ اور عیسائیوں کی جانب سے پادری گوکل ناتھ صاحب بی۔اے۔ انچارج مشنری پھلور مقرر ہوئے عیسائیوں کی طرف سے مسٹر ایم این ہیوز وکیل۔ لیکچرار تھے۔ انہوں نے ۴ بجے سے کچھ وقت پہلے ہی اپنا لیکچر بعنوان انجیل محرف نہیں شروع کر دیا۔

قبل ازیں کہ میں اس اجلاس کا مفصل حال درج کروں۔ یہ ضرور بتاؤنگا۔ کہ مسٹر ہیوز وکیل کی نسبت عوام الناس اور خصوصاً احمدی احباب کا بھی یہ خیال تھا۔ کہ وہ بڑے لسان اور لیکچرار ہیں۔ لہٰذا اکمترین نے بتاریخ ۱۸۔ مارچ ۱۹۱۶ء بوقت نماز ظہر و عصر (جو جمع کی تھیں) بہت رو رو کر خدائے تعالیٰ سے دعا مانگی۔ جس کے الفاظ یہ تھے۔ اے میرے رحمٰن و علیم کُل خدا۔ تو غالب و قادر ہے تُو جانتا ہے۔ کہ مَیں تیرا کمزور بندہ تیرے برگزیدہ و مقدس خلیفہ (ثانی) اپنے آقا کے حکم سے یہاں مناظرہ کے واسطے آیا ہوں۔ پس اے مولا کریم مَیں تو ناچیز ہوں۔ پر اے خدا۔ میرا بھیجنے والا تو تیرے حضور اور روئے زمین پر معزز ہے۔ تُو اسکی عزت کو بحال رکھ۔ اور مجھے فتح نصیب کر۔ تا نہ ہو۔ کہ میری وجہ سے تیرے مقدس نبی حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت اور مسیح موعودؑ کے آقا محمد رسول اللہ صلعم کے مخلص بندوں میں سے کسی کو ٹھوکر لگے۔ آمین ثم آمین۔

مَیں نے اس دعا کا درج کرنا دو بواعث سے مفید سمجھا ہے۔ اول یہ کہ میری اس دعا کی قبولیت سے میرے آقا و مطاع سیدنا خلیفہ ثانی کی اس سے صداقت مترشح ہوتی ہے۔ کیونکہ خدا آپکے غلاموں کی سُنتا ہے۔ دوئم عام احمدی دوستوں خصوصاً غلامان خلیفہ ثانی کی زیادتی ایمان وعرفان کے واسطے بھی اس کا تذکرہ ضروری تھا۔

الف

آمدم بر سر مطلب۔ مسٹر ایم۔ این ہیوز پلیڈر نے اپنا لیکچر شروع کیا۔ انکے دلائل لفظ بلفظ درج ذیل ہیں:۔

یہ انجیل جو ہمارے خداوند یسوع پر نازل ہوئی تھی جسے تقریباً ۱۹۱۶ سال نازل ہوئے گذرے۔ اس کے بعد آپنے کہا۔ کہ صبح ہم پر سختی کی گئی۔ اور احمدی لیکچرار نے سختی سے ہمارا مقابلہ کیا۔ پھر اسکے بعد آپنے صرف عام طور پر عہد جدید پیش کرکے کہا۔ کہ اگر کوئی کہے۔ کہ یہ انجیل محرف و مبدل ہے۔ تو اس کا فرض ہے۔ کہ پہلے وہ یہ ثابت کرے۔ کہ انجیل کو کس نے محرف کیا۔ اور کیوں تبدیل کیا۔ اسکے تبدیل کرنے کی وجہ کیا ہے۔

پھر اسکے بعد خود ہی کہا۔ کہ قرآن کریم میں جو ایسی آیات ملتی ہیں۔ کہ اہل کتاب تحریف کرتے ہیں۔ اس سے مراد صرف یہود ہیں۔ جو اپنی بعض رسمیں تبدیل کرتے رہتے تھے۔ ورنہ کل بائیبل کا قرآن (شریف) خود مصدق ہے۔ اور پھر معترضین کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ ترجمہ میں ایک لفظ کے ترجمہ کو اگر کسی دوسرے نسخہ میں اور لفظ سے تبدیل کردیا گیا ہو۔ تو متن تو وہی ہے اس میں تحریف کو کیا دخل باقی رہا یہ عام سوال۔ کہ اناجیل کی بعض باتیں عام طور سے سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ سو اسکے واسطے معلوم ہو۔ کہ بعض مسائل کا فوق العقل ہونا یہ ثابت نہیں کرتا۔ کہ یہ باتیں خدا کی طرف سے نہیں کیونکہ کون انسان ہے جو نفس ناطقہ اور انسانی جسم کی ترکیب سمجھکر اسپر حاوی ہے۔ حالانکہ مانتے سب ہیں کہ یہ کچھ خدا کا بنایا ہوا ہے پھر اگر انجیل محرف ہے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ قرآن (شریف) محرف نہ کیا گیا ہو۔ لیکن انجیل کو کوئی محرف کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ کیونکہ لکھا ہے۔ ”میں ہر ایک آدمی کے آگے جو اس کتاب کی نبوت کی باتیں سنتا ہے۔ گواہی دیتا ہوں۔ کہ اگر کوئی آدمی ان میں کچھ بڑھائے۔ تو خدا اس کتاب میں لکھی ہوئی آفتیں اسپر نازل کریگا۔ اور اگر کوئی اس نبوت کی کتاب کی باتوں میں سے کچھ نکال ڈالے۔ تو خدا اسکی زندگی کے درخت اور مقدس شہر میں سے جس کا اس کتاب میں ذکر ہے۔ اسکا حصہ

عدم تحریف اناجیل کے دلائل از طرف عیسائی لیکچرار

نکال ڈالیگا۔" مکاشفہ ۲۲/۱۸ و ۱۹ پس اس الہامی کتاب کو کوئی بدل نہیں سکتا۔

پھر باوجودیکہ انجیل نصاریٰ کے صدہا مختلف فرقوں کے ہاتھ میں ہے۔ اگر کوئی ایک فرقہ تبدیل کرتا۔ تو دوسرا ضرور راز فاش کرتا۔ اور اسکی مخالفت کرتا۔ پس اسکو کوئی محرف نہیں کرسکتا۔ کیونکہ دیکھو۔ نصاریٰ کے سب فرقے ہمیشہ سے الوہیت مسیح کے قائل ہیں۔ تثلیث کے ماننے والے ہیں۔ مگر کوئی ایسا نہیں۔ جو یہ کہے۔ کہ ہماری اناجیل میں ان مسائل کا ذکر تک نہیں۔ پس مسیح جو الفا و امیگا ہے۔ وہی اس کا محافظ ہے۔ یہ انجیل تو اس وقت بھی محرف نہ ہوئی اور نہ معدوم ہو سکی۔ جبکہ کتب خانے ✿ عمر صاحب (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) نے جلائے تھے۔ پس ثابت ہوا۔ کہ عیسائی اسی انجیل کو پیش کرتے ہیں۔ جو قرآن والی ہے۔ اور اگر محرف ہے۔ جسکی تعریف یہ ہے۔ کہ اسمیں سے کچھ کم و بیش کیا گیا ہے۔ تو پھر اس کا بار ثبوت معترض کے ذمہ ہے۔

پھر اسکے بعد آپنے جو اسوقت میں جبکہ باری باری سے ہر دو فریق دس دس منٹ بولتے تھے۔ یہ چند باتیں پیش کیں اور کہا۔ کہ ہماری کتب میں محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر ہوتا۔ تو پھر ہمیں کیا ضرورت تھی۔ کہ انکا ذکر نکالدیتے۔ ہمیں انسے کیا دشمنی تھی۔ کہ ہم انکے جھٹلانے پر پہلے ہی سے ایسے تلے ہوئے تھے۔ مگر یہ بات خود معترض ثابت کرے ورنہ ہم تو کہتے ہیں۔ کہ قرآن شریف خود تورات و انجیل کو منوانا چاہتا ہے۔ پس حق یہی ہے۔ کہ تورات۔ زبور۔ انجیل جنکا قرآن شریف مصدق ہے۔ ہمارے پاس موجود ہیں۔

میرے مد مقابل جناب مسٹر ایم این ہیوز پلیڈر نے اپنے کلمات یعنی دعاوی یا دلائل کو جن الفاظ میں پیش کیا تھا۔ وہ ایسے برجستہ نہ تھے۔ بلکہ میری موجودہ تحریر کردہ پیرایہ کی نسبت بہت ٹوٹے پھوٹے طرز میں تھے۔ مگر میں نے انکی الفاظ کو ایک اچھا جامہ پہنا دیا ہے۔ مجھے امید ہے۔ کہ ان کے لیئے۔ جب یہ رسالہ وہ پڑھیں گے۔ تو میرے مشکور ہونگے۔

✿ میں نے اسکا جواب دیا تھا۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی کتب خانہ نہیں جلایا۔ آپنے الزام لگایا ہے۔ ورنہ کسی غیر جانبدار مورخ کی کتاب سے ثبوت دیں۔ مسیحی متعصب مورخین کی میں نہیں مان سکتا۔ تاوقتیکہ وہ معتبر تواریخ کے حوالہ جات کے تسلسل کو مدنظر رکھ کر ثابت نہ کریں۔ اور جب آپ یہ ثابت کردینگے۔ تو پھر میں اسکا تحقیقی جواب دونگا۔ اور پھر رومن کیتھلک اور گریک چرچ والوں کا سلوک مسلمانوں کے ساتھ بتادونگا۔

نوٹ: اسکندریہ کے کتب خانے کے متعلق مورخین نے یہ ثابت کردیا ہے کہ اسکے جلانیوالے عیسائی صاحبان تھے [illegible]

کیا موجودہ اناجیل حضرت مسیح پر نازل ہوئی ہیں؟

مسٹر ہیوز موصوف جب ۴۵ منٹ میں اپنا لیکچر تمام کر چکے۔ تو حسب شرائط قرار دادہ ۳۰ منٹ یعنی نصف گھنٹہ جواب کے واسطے دیا گیا۔

مَیں نے اس طرح اپنا جواب دینا شروع کیا۔ معزز حاضرین جو کچھ پادریصاحب نے بیان کیا۔ آپنے سُنا۔ اب آپ بغور سُنیں۔ انہوں نے جو کچھ کہا۔ وہ کہاں تک صحیح اور درست ہے۔

پادریصاحب نے اپنے لیکچر کے شروع میں ہی فرمایا۔ کہ "یہ انجیل جو ہماری خداوند مسیح پر نازل ہوئی"۔ مَیں افسوس کرتا ہوں۔ کہ یہ الفاظ یا تو پادریصاحب نے (جب مَیں نے بوجہ نہ معلوم ہونیکے تین بار مسٹر ہیوز کو پادریصاحب کہا۔ تو وہ فی الفور میرے وقت میں ہی زور سے بول اُٹھے۔ مَیں پادری نہیں ہوں۔ مَیں وکیل ہوں۔ مسٹر ہیوز ہوں) مَیں نے پھر از سرِ نو اپنا مضمون شروع کیا۔ اور کہا۔ کہ مَیں افسوس کرتا ہوں کہ بلا اجازت پریذیڈنٹوں کے میری مدمقابل میرے وقت میں بولے۔ اور دوسرا افسوس مجھے یہ ہوا۔ کہ مسٹر وکیل صاحب نے شروع لیکچر میں کہا۔ کہ "یہ انجیل جو مسیح پر نازل ہوئی" وکیل صاحب نے اگر دیدہ دانستہ یہ الفاظ کہے۔ تو اسکی وجہ صرف عوام جہلا کو پرچانا مقصود تھا۔ تا انپر یہ جملہ کچھ اثر کر جاوے لیکن اب یہ امر کہ موجودہ انجیلیں مسیح پر نازل ہوئی تھیں۔ واقعات کی بنا پر صریح غلط ہے پس وکیل صاحب نے اگر دیدہ دانستہ غلطی کی۔ اور لوگوں کے ایسے بڑے مجمع کو مغالطہ دیا۔ تو یہ ان جیسے فاضل لیکچرار کی شان سے بعید ہے۔ اور اگر بوجہ علم نہ ہونے کے کہا۔ تو پھر جس عیسائی لیکچرار کو یہ بھی معلوم نہ ہو۔ کہ موجودہ اناجیل کن کی تصنیف ہیں۔ وہ لیکچر کیا بیان کر سکے گا۔

پھر آپ کا ساتھ والا جملہ بھی۔ کہ "۱۹۱۶ سال اسکو گذرے۔ کہ نازل ہوئی تھی"۔ افسوس۔ کہ آپ کو اسقدر بھی علم نہیں ۱۹۱۶ سال تو مسیح کو پیدا ہوئے گذرے۔ پھر کیا موجودہ اناجیل متی۔ مرقس۔ لوقا۔ یوحنا نے مسیح کی پیدائش کے وقت ہی لکھ رکھی تھیں؟

وکیل صاحب! آپنے میرے صبح والے اعتراض کا جو مَیں نے پادری غلام مسیح کے اس دعویٰ پر کیا تھا کہ انجیل دو ہزار برس سے موجود ہے۔ اعادہ کرکے کہا۔ کہ مَیں تعداد صحیح لگا دیتا ہوں۔ تا صبح کی طرح پھر لفظی بحث شروع نہ ہو جائے۔ مگر افسوس صد افسوس۔ کہ آپنے بھی وہی غلطی کھائی۔ اور کہدیا۔ کہ ۱۹۱۶ سال اسکو نازل ہوئے گذرے۔ آپ بالکل مسیحیت نہیں جانتے۔

انجیل کے محرف ہونیکا ثبوت

ہاں! وکیل صاحب۔ جنابنے عام طور پر صرف عہد جدید ہی کیوں پیش کیا۔ آپنے مجھ پر یہ کیوں عنایت کی۔ جو صرف عہد جدید کے محرف ہونے کا ثبوت مجھ سے چاہا۔ اور اس طرح میری نصف تکلیف کو آپنے مجھ سے اُٹھا دیا۔ مَیں اس مجمع میں اقرار کرتا ہوں۔ کہ مَیں آپکی مہربانی کا مشکور ہوں۔ مگر جناب والا۔ بندہ عہد جدید کے ساتھ عہد عتیق کو بھی محرف ثابت کرکے کل کتاب بائیبل کی وقعت انشاء اللہ آپکے دل سے دُور کریگا۔ کیونکہ حضرت یسوع مسیح تو اپنی عمر میں توراۃ اور صحف الانبیاء پر ہی چلتے تھے۔ اور اسی مجموعہ کو اپنا ہادی اور اپنے دعاوی کا مصدق تسلیم کرتے تھے۔ جیسا کہ متی $\frac{5}{17}$ و $\frac{7}{12}$ ولوقا $\frac{16}{17}$ و $\frac{24}{25,44,45}$ وغیرہ سے ظاہر ہے۔ پس مَیں نہ صرف اس کتاب انجیل کو جو محض آپکے نزدیک الہامی ہے۔ محرف ثابت کرونگا۔ بلکہ اس کتاب کو بھی جس پر آپکے خداوند حضرت یسوع مسیح کا ایمان تھا تبدیل شدہ ثابت کرکے آپکے جہات ستہ مسدود کر دونگا۔

اور آپنے جو صرف اس بات کو کئی بار زور شور سے دوہرایا۔ کہ میرا مد مقابل ثابت کرے۔ کہ انجیل کیوں محرف کی گئی۔ درست نہیں۔ کیونکہ اس کا بار ثبوت آپکے کندھوں پر ہے۔ کہ آپ یہ ثابت کریں۔ کہ انجیل وغیرہ کیوں محرف کی گئی۔ یا مَیں معافی مانگ کر ادب سے کہوں گا۔ کہ آپ اپنے بزرگوں سے پوچھ لیجیئے گا۔ کہ انہوں نے اسکو کیوں محرف کرڈالا۔ میرا کام صرف اسقدر ہے۔ کہ مَیں یہ ثابت کر دوں۔ کہ یہ کتاب واقعی محرف و مبدل ہے۔ کیونکہ آپکا مجھ پر بار ثبوت ڈالنا۔ کہ مَیں بتاؤں۔ انجیل کیوں محرف ہے۔ وہی معاملہ ہے۔ جس طرح کہ تمہیں اپنے کوٹ کو تبدیل کر دوں۔ اور

اس سے کچھ قطع کر کے اسکے آستر کو اوپر کی جانب کر ڈالوں۔ پھر جب آپ مجھ سے کہیں کہ آپنے اپنا کوٹ بدل ڈالا۔ تو میں آپ سے پوچھوں۔ کہ آپ وجہ بتائیں۔ کہ میں نے کوٹ کیوں تبدیل کیا۔ ایسی صورت میں آپ کیا جواب دیں گے۔

لیجیئے۔ اب میں اس کتاب کی تحریف ثابت کرتا ہوں۔ پس واضح ہو۔ کہ تحریف ۲ قسم کی ہوتی ہے۔ اول لفظی۔ دوئم معنوی۔ اول تحریف لفظی در عہد عتیق۔ توریت کی کتاب استثنا۔ آپکے مسلمات میں سے ہے۔ کہ موسیٰ پر نازل ہوئی تھی مگر اسی استثنا کی کتاب کے ۳۴ باب ۵ تا آخر یہ الفاظ ہیں۔ "سو خداوند کا بندہ موسیٰ خداوند کے حکم کے موافق مواب کی سرزمین میں مرگیا۔ اور اس نے اسے مواب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل گاڑا۔ پر آج کے دن تک کوئی اسکی قبر نہیں جانتا۔ اور موسیٰ اپنے مرنے کے وقت ایک صد بیس برس کا تھا" الخ۔ پس وکیل صاحب۔ آپ بتائیں۔ اگر یہ کتاب موسیٰ کی کتاب ہے۔ تو پھر یہ الفاظ کس نے لکھے یا کس پر نازل ہوئے۔ کیا موسیٰ پر۔ یا موسیٰ نے لکھے۔ جبکہ وہ فوت ہو گیا تھا۔ آپ ذرا اسکا جواب دیویں۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ آپنے تحریف کی تعریف خود ہی فرمائی تھی۔ کہ اس سے کچھ کم و بیش کر دینا۔ لہٰذا اس بات کا آپ خود تصفیہ کر لیں۔ کہ اس میں سے کچھ کم کیا گیا۔ یا اسپر کچھ زیادہ کیا۔ جونسا طریق اختیار کیا۔ وہ آپکی خود فرمودہ تعریف کے رُو سے تحریف ہے۔

دوسری تحریف یوحنا کی انجیل کے ترجمہ مروجہ یعنی اتھورائزڈ ورشن جو چرچ آف انگلینڈ میں سنہ ۱۶۱۱ء میں ہوا تھا۔ اور پھر قریباً اڑھائی صد برس بعد یعنی سنہ ۱۸۸۱ء میں اسی پر نظر ثانی ہوئی تھی۔ اور پھر اسوقت سے لیکر آج سے چند سال پہلے تک ترجمہ ریوائزڈ ورشن میں انجیل مذکور کے باب ۵ کی یہ عبارت تھی۔ جو میں اردو ترجمہ مطبوعہ سنہ ۱۸۸۵ء سے پڑھتا ہوں:۔

"بعد اسکے یہودیوں کی ایک عید تھی۔ اور یسوع یروشلم کو گیا۔ یروشلم میں بھیڑ دروازے کے پاس ایک حوض ہے۔ جو عبرانی میں بیت حسدا کہلاتا ہے

اسکے پانچ اسارے ہیں۔ انمیں ناتوانوں اور اندھوں اور لنگڑوں اور پژمردوں کی ایک بڑی بھیڑ پڑی تھی۔ جو پانی کے ہلنے کی منتظر تھی۔ کیونکہ ایک فرشتہ بعضے وقت اس حوض میں اتر کے پانی کو ہلاتا تھا۔ اور پانی کے ہلنے کے بعد جو کوئی پہلے اس میں اترا۔ کیسی ہی بیماری میں گرفتار ہوا ہو۔ اس سے چنگا ہو جاتا تھا" یوحنا کی انجیل مطبوعہ ۱۸۷۰ء باب ۵ ورس الغایت ۵۔ لیکن آجکل کی انجیل یوحنا میں سے تین آیات "پانی کے ہلنے" سے لیکر "چنگا ہو جاتا تھا" تک نکال ڈالی گئیں۔ اور یہ ایک ایسی زبردست تحریف لفظی ہے۔ جس کی نظیر ہم کہیں نہیں پاتے میں اپنے قیمتی وقت کو خرچ کر کے وکیل صاحب کی ایک اور عقدہ کشائی بھی کیئے دیتا ہوں۔ سُن لو اے حاضرین۔ وکیل صاحب نے بار بار اصرار کیا۔ کہ میں انکو سب سے پہلے بتاؤں۔ انجیل کیوں محرف کی گئی۔ اس کا ثبوت اگرچہ میرے ذمہ نہیں تھا لیکن میں وکیل صاحب کی خاطر اسکو بھی صاف کیئے دیتا ہوں۔ پس میں کہتا ہوں جب سے میرے آقا مسیح موعود حضرت میرزا غلام احمد صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عیسائیوں پر یہ زبردست حجت تمام کی اور بتایا۔ کہ اے عیسائیو۔ اگر تم صرف اس وجہ سے کہ مسیح بیماروں کو چنگا کر سکتا تھا۔ خدا کہتے ہو۔ تو پھر یہ خصوصیت اور یہ صفت تو بیت حسدا کے حوض میں بھی پائی جاتی تھی۔ کیا پھر وہ بھی خدا تھا۔ میرے آقا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چونکہ ایک ایسا زبردست

✽ میں اسجگہ اپنے ان احمدی بھائیوں کو جنھوں نے بار بار اصرار کیا تھا۔ کہ یہ سب باتیں ضروری جلدی شائع ہو جائیں۔ تا ہمیں فائدہ پہنچے۔ یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود نبی اللہ علیہ السلام نے عیسائیوں کو یہ بھی کہا تھا۔ کہ متی $\frac{19}{17}$ کی رو سے مسیح نیک ہونے سے انکار کرتا ہے۔ تو چونکہ عیسائیوں سے اسکا جواب بھی نہ ہو سکتا تھا۔ لہٰذا انھوں نے اس میں بھی تحریف کر ڈالی۔ اور جملہ "تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے" کی بجائے۔ "تُو مجھ سے نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے۔ درج کر دیا۔ افسوس۔

میں ایک اور باریک نکتہ بھی بتا دیتا ہوں۔ فی ہزار شاید ایک عیسائی عالم ہوگا۔ جسے معلوم ہوگا کہ یہ قرأت سٹنڈارڈ کی ہے۔ کہ "تو نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے" پس اگر کوئی تثلیثی عالم یہ کہے کہ متی $\frac{19}{17}$ میں سٹنڈارڈ کی قرأت قبول کرتے ہیں۔ تو پھر اسے چاہیئے۔ کہ روم $\frac{9}{5}$ میں بھی سٹنڈارڈ کی قرأت کو پسند کرے۔ یعنی یہ ترجمہ قبول کرے۔ کہ "انہیں میں کے باپ دادے ہیں اور انہیں میں کا مسیح ہے از روئے جسم۔ وہ جو سب کے اوپر خدا ہے۔ ہمیشہ مبارک ہو" کیونکہ ترجمہ بہت صحیح ہے

اعتراض کیا تھا۔ جس کا جواب آپ یا آپکے بزرگان سے نہ ہو سکا۔ اور نہ ہو سکتا تھا۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی ہو سکیگا۔ لہذا آپنے صرف اس اعتراض سے بچنے کیلئے یہ صریح تحریف کر ڈالی۔ پس یہ تحریف لفظی بطور مشتے نمونہ خروارے پیش کر کے اب تحریف معنوی ثابت کرتا ہوں۔

اوّل یسعیاہ ۹/۶ میں جس لفظ کا ترجمہ ہے "خدائے قادر" عبرانی میں وہ لفظ ہے۔ ایل۔ جسکے معنے مضبوط۔ زبردست بہادر قوی ہیں۔ آپ لوگوں نے اس کا ترجمہ خدائے قادر کیوں کیا۔ کیا اس واسطے۔ کہ یسوع کو جو صرف انسان تھا۔ خدا ثابت کیا جاوے۔ تو پھر چاہیئے کہ آپ حزقی ایل ۳۱/۱۱ و ۳۲/۲۱ میں جہاں یہ لفظ بنوکدنضر کے واسطے آیا ہے۔ وہاں بھی اس کا ترجمہ خدائے قادر لکھ کر اسی کو بھی خدا تسلیم کریں۔ در آنحالیکہ بائیبل میں یہ لفظ ۲۲۲ مقامات میں سے اٹھارہ بار مجازاً بھی استعمال ہوا ہے۔ پھر بنوکدنضر کا کسطرح حق الوہیت نہیں۔ ضروری کیونکہ آخر جس طرح کا انسان بنوکدنضر تھا۔ اسی طرح کا انسان۔ انسانی جسم والا مسیح بھی تھا۔ اور الوہیت کا داخلی و خارجی ثبوت آپکے ذمہ ہے۔

پھر دوسری تحریف معنوی یوحنا ۱/۱ "ابتدا میں کلام تھا۔ کلام خدا کے ساتھ تھا۔ کلام ہی خدا تھا"

وکیل صاحب کو معلوم ہو۔ کہ لوتھر اور وکلف نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے۔ "خدا کلام تھا" نہ "کلام خدا تھا"۔ ڈاکٹر کیمبل صاحب فرماتے ہیں۔ ہنری ہشتم کے وقت میں یہی

علاوہ ٹشنڈارف کے مشہور نسخہ کو وکسی اقرائمی بھی اسی پر شاہد ہے۔ دوئم اس ترجمہ کے صحیح ہونیکی یہ دلیل ہے۔ اس درس میں لفظ εὐλογητός یونانی لفظ ہے۔ جو انجیل میں مسیح کے واسطے بالکل نہیں آیا۔ ہاں البتہ لفظ یولوگے میناس ευος ωзγο ληυ ε عام ہے۔ پس جو شخص متی ۱۹/۱۷ میں ٹشنڈارف کی قرأت قبول کرتا ہے۔ اسے چاہیئے۔ کہ روم ۹/۵ میں بھی ٹشنڈارف کی قرأت کو قبول کرے۔ در آنحالیکہ روم ۹/۵ کی بیان

کردہ قرأت کو اور بحن دیو سیبیس وغیرہ فضلاء نے بھی تسلیم کیا ہے۔ پھر اسکو تسلیم نہ کرنا اور متی ۱۹/۱۷ کو قبول کر لینا مطلب پرستی نہیں تو اور کیا ہے۔ منہ

ترجمہ تھا۔ کہ خدا کلام تھا۔ ڈاکٹر وینر صاحب اپنی گرامر دفعہ ۱۹ میں اسی ترجمہ کو قبول کرتے اور درست قرار دیتے ہیں۔ اور بتلاتے ہیں۔ کہ "کلام خدا کے ساتھ تھا" اگر رسول نے لوگس کو ὁ θεός (ہو تھے آس یا تھیوس) کہنا چاہا تھا تو آرٹیکل ہرگز ترک نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس نے عمداً آرٹیکل ترک کرکے یونانی کا وہ لفظ بغیر آرٹیکل کے θεός استعمال کیا۔ جو یونانی لوگ اپنے دیوتا اور رہنما لوگوں کے واسطے استعمال کرتے تھے۔

پس وکیل صاحب یہ دوسری معنوی تحریف آپکے سامنے ہے۔ فی الحال آپ ان ہر چہار تحریفات پر غور کرکے جواب دیویں۔

اور مسٹر وکیل صاحب نے یہ کہا ہے۔ کہ قرآن شریف میں جو ایسی آیات ہیں کہ اہل کتاب الکتاب کو تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ اس سے قرآن کی مراد صرف یہود ہیں۔ نہ نصاریٰ۔ سو اسکی نسبت معلوم ہو۔ کہ اگر آپ علاوہ عربی کے صرف اپنے علم سے واقف ہوتے۔ تو آپ کو معلوم ہو گیا ہوتا۔ کہ تمام عیسائی علماء اس لفظ الکتاب سے مراد بائیبل لیتے ہیں۔ اور آپکو پتہ ہونا چاہیئے۔ کہ اسکی دلیل وہ یہ پیش کرتے ہیں۔ کہ لفظ بائیبل ایک یونانی لفظ ہے۔ جسکے معنی کتاب کے ہیں۔ پس اسی لفظ کو الکتاب کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔

دوئم۔ آپنے بہت خوب کہا۔ جب قرآن شریف بقول آپ کے صرف یہود اور انکی کتاب کا ذکر کرتا ہے۔ تو ثابت ہوا۔ کہ اسکے نزدیک انجیل کوئی کتاب نہیں۔ اور یہی میرا مذہب ہے۔ کہ انجیل اصل میں۔ یونانی انگلیوں معرب ہوا انجیل ہے عبرانی میں بشوری۔ اور یونانی عبرانی ہر دو زبانوں کے الفاظ کا ترجمہ ہماری زبان میں بشارت۔ آپنے بہت خوب کہا۔ کم از کم میرا مذہب بیان کر دیا۔ واقعی از روئے قرآن شریف انجیل کوئی کتاب نہیں۔

میں اسجگہ ساتھ ہی غیر احمدی دوستوں کی خدمتمیں التجا کرتا ہوں۔ کہ وہ میری اس بات کو برا نہ تسلیم کریں۔ میں اپنے اصولات و مسلمات کی رو سے وکیل صاحب سے

مباحثہ کر رہا ہوں۔ نہ کہ آپکے مسلّمات کو تسلیم کر کے مناظرہ کرتا ہوں۔ پس میرا یہی مذہب ہے۔ کہ جس طرح میرے آقا مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات کا مجموعہ آج ہم لوگ کتابی صورت میں لا رہے ہیں۔ اسی طرح حواریین یسوع مسیح نے اپنے استاد کے الہامات اکٹھے کر کے اس کا نام انجیل رکھدیا۔ جسکی وجہ تسمیہ بہت بڑی یہ تھی۔ کہ اس ۔۔ ۔۔۔۔ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پیشگوئیاں تھیں۔ اور بشارتیں تھیں۔ اور مسیح چونکہ محمد رسول اللہ صلعم کے لیئے ایک مبشّر اور راہ صاف کرنے والے تھے۔ لہٰذا اسی اصلی مقصد نبوّت و بعثت کو مدنظر رکھکر حضرت مسیح کے مجموعہ الہامات کا نام انجیل رکھا گیا جو آجکل محرف و مبدل صورت میں ہمارے سامنے پیش کی جاتی ہے۔

پھر وکیل صاحب کو یہ بھی معلوم ہو۔ قرآن شریف کتاب سے مراد وہ کتاب لیتا ہے جس میں شرائع بیان ہوں۔ مگر انجیل میں کوئی شریعت کے احکام نہیں بلکہ جس طرح میرے آقا مسیح موعودؑ محمد رسول اللہ صلعم کی شریعت کے متبع تھے۔ اسی طرح حضرت مسیحؑ حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے پابند تھے۔

اور پھر یہ بھی یاد رہے۔ کہ قرآن شریف کتاب کے معنے خط بھی کرتا ہے۔

پھر آپنے جو یہ کہا۔ کہ اصلی متن سے تو کوئی آیت نہیں نکالی گئی۔ بلکہ تراجم سے میں کہتا ہوں۔ آپ تو یونانی نہیں جانتے۔ نہ ہی کوئی دوسرا آپکا ساتھی یونانی خواں ہے۔ پھر آپنے کس طرح معلوم کیا۔ کہ اصلی متن یونانی سے کوئی لفظ نہیں نکالا گیا۔ دوئم۔ آپ بھی اسی ترجمہ کی تلاوت فرماتے ہیں۔ اور لوگوں میں بھی یہی تراجم تقسیم کرتے ہیں تو کیا آپ تلاوت فرماتے وقت، اپنے خیال میں اصلی متن پڑھتے اور لوگوں کو تقسیم کرتے وقت بھی اصل متن ہی تقسیم کرتے ہیں۔

اور یہ جو آپنے کہا۔ اگر بعض باتیں انجیلی سمجھ میں نہیں آتیں۔ تو یہ معمولی بات ہے۔ میں بتاؤں۔ معمولی نہیں۔ بڑا بھاری نقص ہے۔ کیا آپ اپنے ننھے بچے کو جو تم ڈلوٹر برا ہمگی میں پڑھتا ہو۔ اقلیدس کی شکل اسکے سامنے رکھکر پھر اسے یاد کرنیکے واسطے کہیں گے

اور اگر وہ پھر آپ کو نہ سنا سکے۔ تو آپ اسے زدوکوب کرینگے۔ اے جناب۔ کون ہر جو گھوڑے سے باورچی کا کام لے۔ اور جب گھوڑا کھانا نہ پکا سکے۔ تو ہنٹر سے اس کی خبر لے۔ پس جس صورت میں ہم ایسے مسائل کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ تو پھر یہ گورکھ دھندا ہمارے آگے عقیل کل خدا باپ نے کیوں رکھدیا۔ باقی رہا۔ نفس ناطقہ اور انسانی جسم کی ترکیب۔ تو جناب والا۔ نفس ناطقہ اور انسانی جسم کی ترکیب سمجھنا ہمارے ایمانیات میں سے نہیں۔ اور نہ ہی مسیحیت میں لکھا ہے۔ کہ اگر تم نفس ناطقہ اور انسانی جسم کی ترکیب کے راز کے ماہر نہ ہو گے۔ تو نجات نہیں ملے گی۔ پس یہ مثال اس جگہ چسپاں نہیں ہو سکتی۔

قرآن شریف محفوظ ہے

اور پھر آپنے جو یہ کہا ہے۔ کہ اگر انجیل محرف ہو سکتی ہے۔ تو قرآن شریف بھی ہو سکتا ہے۔ اجی حضرت۔ مَیں بتاؤں۔ قرآن شریف کیوں محرف ہو۔ اسکے نازل کرنیوالے کا وعدہ ہے۔ کہ ہم نے ہی اس کو اُتارا ہے۔ اور ہم ہی اسکے محافظ ہیں۔ عملی رنگ میں الٰہی حفاظت دیکھ لو۔ نہ آریاؤں میں وید کا نہ عیسائیوں یہودیوں میں بائیبل کا کوئی حافظ پایا جاتا ہے۔ مگر قرآن شریف کے اس گئے گذرے زمانہ میں بھی ہزاروں حافظ موجود ہیں۔ پس مسلمانوں کے سینوں میں قرآن شریف محفوظ ہے۔ اگر کتابی دنیا سے معدوم ہو جائے۔ تو بھی وہ مسلمانوں کے لوح دل سے معدوم نہیں ہو سکتا۔ پھر قرآن شریف کیسے محرف ہو جائے۔

باقی رہا آپ کی مکاشفہ ۳۲/۱۸و۱۹ والی دلیل۔ سو جناب بندہ۔ میںنے تحریف ثابت کر دی۔ اب آپ دیکھ لیں۔ جنہوں نے تحریف کی۔ یعنی* زیادہ کیا۔ تو پھر ان پر کتاب مکاشفہ کی مقرر کردہ آفات اگر نازل ہوئیں۔ تو تحریف ثابت۔ اگر نہیں ہوئیں۔ تو آپ کا بیان کردہ معیار غلط ہے۔ یہی بات شق دوئم یعنی کم کرنے میں سمجھ لیں۔ جو یوحنا ۵/اتاہ پر عائد ہوتا ہے۔

باقی رہے نصاریٰ کے فرقے۔ تو جناب کو جلد معلوم ہو جانا چاہیئے۔

---

* یہ تحریف محرف و بدل ہونے کی خود وکیل صاحب نے فرمائی تھی۔ منہ

سر آیزک نیوٹن فیلسوف نے سب سے پہلے یوحنا ۱/۵ وغیرہ کو غیر الہامی بذریعہ ایک رسالہ کے ثابت کیا۔ یونیٹیرین آئے دن اہل تثلیث کی تحریف سے دق آئے رہتے ہیں۔ اور جناب کو پتہ ہونا چاہیئے۔ یونیٹیرین الوہیت مسیح کے قائل نہیں۔ تثلیث کے بھی منکر ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ اناجیل میں ان مسائل کا ذکر نہیں۔ اور اگر آپ کو دعویٰ ہے۔ کہ اناجیل اور عہد عتیق سے الوہیت مسیح ثابت ہے۔ تو آپ میرے ✤ ساتھ بحث کر لیں۔

حضرت مسیح الفا امیگا نہیں ہیں

اور یہ جو آپنے کہا۔ کہ مسیح جو الفا امیگا ہے۔ وہی محافظ وغیرہ ہے غلط ہے کیونکہ مسیح الفا امیگا اول آخر یا ابتدا انتہا نہ تھا۔ حضرت مسیح نے جبکہ مصلوب ہو کر بقول آپکے جان دیدی تو اسوقت انکی انتہا تو ٹوٹ گئی۔ کیوں۔ میں بتاؤں۔ اگر مسیح الوہیت کے رو سے نہیں مرے۔ تو ثابت ہوا کہ کامل مسیح مصلوب نہیں ہوئے۔ اس صورت میں کفارہ باطل۔ کیونکہ کامل مسیح وہی ہے۔ جو ایک انسانیت اور ایک الوہیت کا مجموعہ ہے کیونکہ "کامل خدا۔ کامل انسان ایک مسیح" ہدایت نمبر ۳۲ اور کیونکہ "جس طرح نفس ناطقہ اور جسم ایک انسان ہے اسی طرح خدا اور انسان ایک مسیح ہے"۔ دیکھو آتا ناسس نمبر ۳۷ پس انکے غیر منتہی ہونے کا خیال اسی وقت سے زائل ہو گیا۔ جبکہ وہ صلیب پر فوت ہو گئے۔ اب رہی ابتدا۔ اول۔ تو مسیح اپنی پیدائش سے اول کہاں رہتا تھا۔ اسکا خارجی ثبوت آپکے پاس کیا ہے۔ کیونکہ ایک آدمی کہتا ہے۔ مسیح جو پیدا ہوا۔ جوان ہوا۔ مر گیا۔ دفن ہوا۔ وہ حادث ہے۔ اور حادث قدیم نہیں ہو سکتا۔

باقی رہی قرآن شریف والی انجیل۔ اسکا جواب میں پہلے دے چکا ہوں۔

خدا کا ہزار ہزار شکر ہے۔ کہ میرا تھوڑا سا وقت یعنی ۳۰ منٹ تب ختم ہوئے۔ جبکہ یہ کل امور

✤ میں نے مسٹر ایم این ہیوز وکیل کو انکے گھر یہ بھی کہا تھا۔ کہ اگر آپ الوہیت مسیح پر از روئے بائبل ہی بحث کرنا چاہیں۔ تو میں ہر وقت ہر جگہ انشاء اللہ آ سکتا ہوں۔ آپ فیصلہ کر لیں۔ اور میں صرف بائبل کے رو سے اس مسئلہ پر گفتگو کرونگا اور آپ صرف بائبل کے رو سے دلائل دیں۔ میں بھی بائبل کے رو سے دلائل دونگا۔ اسی طرح تائید و تردید بائبل کے رو سے ہو دیکھیں۔ اب کیا جواب دیتے ہیں۔ اسوقت تو ٹال دیا تھا۔ منہ

حضرت خلیفة المسیح ثانی کی دعا کا اثر

لفظ بلفظ مَیں بول چکا تھا۔ خدا نے میری زبان کو ایسی روانی عطا فرمائی۔ جو بیان سے باہر ہے۔ اسکی وجہ صرف یہ تھی۔ کہ قادیان سے رخصت ہوتے وقت مَیں نے نہایت غمناک ہو کر اپنے آقا و خداوند خلیفہ ثانی کیخدمت میں عرض کی تھی۔ کہ مَیں گونگا ہوں۔ شائد آپکی دعا سے بول سکوں۔ حضور نے دعا فرما کر دوبارہ عمانوایل کے اعجاز کو زندہ فرما دیا۔ اے احمدی بھائیو۔ شکر کرو۔ ہمیں کیسا رہبر ملا۔ الحمد للہ! ثم الحمد للہ۔

اسکے بعد دس دس منٹ شروع ہوئے۔ مسٹر ہیوز وکیل کو چاہیئے تھا۔ کہ وہ میرے مطالبات اور دلائل کی نسبت کچھ کہتا۔ اس نے انکو ہاتھ تک نہ لگایا۔ اور ہنسی سے میری شال کوٹ والی کو لیکر کہا۔ چلو اب عبد اللہ درزی کے پاس۔ پوچھ لیں۔ کیوں کوٹ تبدیل کیا۔ حاضرین خوب سمجھ گئے۔ کہ وکیل صاحب اب مشوش ہو رہے ہیں۔ آپنے نئی بات یہ پیش کی۔ کہ اگر محمد (صلعم) کی نسبت انجیل میں پیشگوئیاں تھیں۔ تو ہم نے کیوں نہ اسے تسلیم کیا۔ ہماری اسکے ساتھ کیا دشمنی تھی۔ پھر کہا۔ کہ لو۔ آریہ اور عیسائی لوگ تو غبی اور کند ذہن (آریہ کے لفظ پر اس واسطے زور دیا کہ لالہ کرپا رام صاحب رئیس بنگہ جنکو جانبین نے مقرر کیا تھا آریہ تھے۔ لیکن خدا کا شکر ہے۔ کہ انہوں نے اس بات کا بالکل خیال نہ کیا۔ اور بعد برخاست ہونے جلسہ کے مجھے فتح کی مبارکباد دی) مگر مسلمان ہی ذکی اور تیز فہم حافظہ والے ہیں۔ اور پھر اگر قرآن میں کسی انجیل کا ذکر نہیں۔ تو اے مسلمانو! (غیر احمدیوں کو ورغلانے کے واسطے کہا۔ مگر خدا کا شکر ہے۔ کہ تمام غیر احمدی شرفاء اور خصوصاً جناب ڈاکٹر رحیم بخش صاحب نے بھی بعد برخاستگی جلسہ کے مجھے فتح کی مبارکباد دیکر نہایت تپاک اور خلوص سے میرے ساتھ معانقہ کیا) تمہارے سب مفسر اور مولوی جھوٹ لکھتے رہے۔

مَیں نے اپنے دس منٹوں میں جواب دیا۔ کہ آپنے جو یہ کہا۔ کہ ہم نے کیوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم نہ کیا۔ ہماری انسے کیا دشمنی تھی۔ در آنحالیکہ انکی نسبت پیشگوئیاں بھی موجود تھیں۔ سو واضح ہو۔ کہ مسیح یسوع کو یہودیوں نے کیوں تسلیم کیا۔ در آنحالیکہ تاحال بھی بخیال آپکے تورات میں اور صحف انبیاء میں یسوع کی نسبت ایسی پیشگوئیاں

موجود ہیں۔ جو اسکی صداقت پر شاہد ہیں۔

دوئم۔ میں حل کیئے دیتا ہوں۔ حضرت مسیحؑ کی شان میں آپنے غلو کیا۔ وہ پہلی موسیٰؑ کا ایک خلیفہ تسلیم کیئے جاتے تھے۔ پھر کچھ مدّت کے بعد انکو موسیٰؑ سے بڑا بنایا گیا۔ حالانکہ شاگرد اُستاد سے بڑا نہیں ہوتا متی ۱۰/۲۴ پھر یہ غلو ایسا بڑھا۔ کہ اسی خدا بنایا گیا۔ پھر جب آپکو معلوم ہؤا۔ کہ ابھی ایک ایسا بھی آنیوالا ہے۔ جو اس کا بھی سردار ہوگا تو پھر بوجہ تعصب اور نہ ترک کرنے اپنے غلو کے پیشگوئیاں نکال ڈالیں۔ اور مسیحؑ کے سردار محمد رسول اللہ صلعم کے مقابل اُٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ اسکا جواب دیویں۔

باقی رہا۔ آریہ صاحبوں کا ذکر۔ میں اقرار کرتا ہوں۔ کہ اپنی کتاب کو حفظ کرلینے کی فضیلت بجز اہل اسلام کے اور کسی کو حاصل نہیں۔

غیر احمدی شرفاء خود خیال کر سکتے ہیں۔ کہ اوّل ہی میں نے کہدیا۔ کہ میں اپنے اصولات کے رُو سے بحث کر رہا ہوں۔

اسکے بعد میں نے اپنے وقت میں جو بچ رہا تھا۔ بار بار کہا۔ کہ میں معزز پریذیڈنٹ کی اسطرف توجہ پھیرنا چاہتا ہوں۔ کہ کیوں میرے مطالبات کا جواب میرے مدمقابل نے نہیں دیا۔

اسکے بعد مسٹر ہیوز نے پھر غیر احمدیوں کو ورغلانا شروع کیا۔ کہ دیکھو۔ میرزائی کہتا ہے۔ انجیل کوئی کتاب ہی نہیں۔ جب کتاب ہی نہیں۔ تو پھر تحریف کس میں۔ اور کیسی تبدیلی۔ دیکھو قرآن شریف میں لکھا ہے۔ نازل کی ہم نے انجیل۔ اور میرے مدمقابل کو چاہیئے۔ کہ وہ بتائے۔ انجیل کس زبان میں تھی۔ اور پھر میں نے کہا تھا۔ کہ یہ الہامی ہے۔ اس نے اسکا کیا جواب دیا۔ پس انہی باتوں میں اپنا وقت دس منٹ ٹال کر بیٹھ گئے۔

میں نے اپنے وقت میں اُٹھ کر کہا۔ کہ جو کتاب آپ پیش کرتے ہیں۔ ہم اس کتاب میں جو آپنے اڑھائی صد سال پہلے پیش کی تھی۔ اور آج پیش کرتے ہیں۔ مقابلہ کرکے تحریف ثابت کرتے ہیں۔ اور غیر احمدی دوستوں کو خوب معلوم ہے کہ مفسرین جس انجیل کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ عیسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی۔ نہ کہ متی

مسیحیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں نہیں تسلیم کیا

قرآن شریف [illegible]

انجیل کس زبان میں تھی

مرقس لوقا یوحنا نے لکھی تھیں۔ قرآن شریف متی مرقس وغیرہ کے نام سے بھی واقف نہیں۔ اور انجیل جو عیسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی۔ وہ برحق ہے۔ وہ کیا تھی۔ بشارت محمد رسول اللہ صلعم کی تھی۔ اسکا میں مقر ہوں۔ اب بھی اور بعد میں بھی۔ جیسا کہ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ باقی رہا پادری صاحب کا یہ کہنا۔ کہ میں بتاؤں۔ انجیل کس زبان میں تھی۔ سو جناب والا۔ آپکو اپنا ایک سوال یاد رہا۔ اور میرے بیسوں مطالبات کو یوں پس پُشت پھینک بیٹھے۔ جیسے سُنے ہی نہیں۔ لیجیئے۔ میں آپکو بتاؤں۔ مسلمانو۔ دیکھو۔ یہ انجیل جو عیسائی پیش کرتے ہیں۔ یونانی زبان میں ترجمہ کیگئی ہے مگر جو انجیل حضرت عیسیٰؑ کی تھی۔ وہ بزبان عبرانی تھی۔ چنانچہ آجتک خود اسی انجیل سے ثابت ہے۔ کہ مسیحؑ کی زبان مادری اور کُل اسکے ہموطنوں کی زبان عبرانی تھی اور عیسائی مورخین غلطی کرتے ہیں۔ جو یہ لکھتے ہیں۔ کہ اسوقت ملک شام میں یونانی زبان بولی جاتی تھی۔ دیکھو انجیل میں لکھا ہے۔ یسوع کو یروشلم میں علانیہ طور پر داخل ہوتے دیکھ کر لڑکوں نے ہوشعنا کا لفظ کہنا شروع کیا متی ۲۱/۸و۹ ہوشعنا ایک عبرانی لفظ ہے۔ بمعنی کرم کرکے نجات دے۔ چنانچہ زبور ۱۱۸/۲۵ میں بھی یہ لفظ استعمال ہُوا ہے۔ چھوٹے لڑکوں کا خوشی کے موقعہ پر ہوشعنا کہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ ان بچوں کی مادری زبان عبرانی تھی۔ کیونکہ خوشی کی ترنگ میں مادری زبان کے الفاظ بے ساختہ نکل جاتے ہیں۔ مسیحؑ خود متی ۲۷/۴۶ کے رُو سے صلیب پر ایلی ایلی لما سبقتانی کہتا ہے۔ جو عبرانی الفاظ ہیں۔ اور کہ جنہیں اسوقت کے محاورہ کے مطابق کسدی بھی مخلوط ہے۔ یہ امر ثابت کرتا ہے۔ کہ مسیحؑ کی زبان مادری عبرانی تھی۔ کیونکہ غم وحزن کے وقت مادری زبان میں کلمات خود بخود نکل جاتے اور حالت غم کا نقشہ کھینچ دیتی ہیں۔ عورتیں بھی مسیحؑ کو ربی ربونی عبرانی لفظ سے پکارتی ہیں یوحنا ۲۰/۱۵و۱۶ عورتوں کا عبرانی الفاظ استعمال کرنا بھی عبرانی زبان پر شاہد ہے۔ پھر رسول پولوس اعمال ۲۲/۲ کے رُو سے بھیڑ کے لوگوں کو سمجھانیکے واسطے عبرانی میں کلام کرتا ہے۔ پس اسوقت ملک شام میں عبرانی بولی تھی۔ اور انجیل عبرانی میں تھی۔ مگر آپ یونانی کی انجیل پیش کرتے ہیں۔

موجودہ اناجیل الہامی نہیں

باقی رہا۔ یہ دعویٰ کہ یہ الہامی ہیں۔ وکیل صاحب ثبوت دیتے۔ مگر نہیں دیا۔ مَیں آسان کئے دیتا ہوں۔ ان اناجیل کے مصنفین کو ہرگز دعویٰ نہیں۔ کہ ہم نے الہاماً انکو لکھا ہے۔ بلکہ لوقا خود کہتا ہے۔ کہ مَیں نے ان حکایتوں کو لکھا۔ جو سُنیں۔ اور جس طرح دوسروں نے لکھیں لوقا ۱ تا ۳۔ یوحنا بھی اخیر باب کی آخری آیات میں لکھتا ہے۔ کہ "جس نے انکو لکھا" دیکھو صاف اقرار ہے۔ کہ الہاماً نہیں لکھا۔ اگر الہاماً لکھتا۔ تو کہتا۔ کہ مَیں نے الہاماً لکھا ہے۔

اسکے بعد میرا وقت ختم ہوگیا۔ آخری دس منٹ حسب فیصلہ پریذیڈنٹوں کے نصف نصف یعنی پانچ پانچ منٹ دیئے گئے۔ پہلے پانچ منٹ مسٹر ہیوز وکیل بولے۔ مگر حیران تھے۔ کہ کیا کہا جاوے۔ آخر حیرانی میں بیٹھ گئے۔

مَیں نے مطالبات کے جوابات نہ دے سکنے کو لوگوں پر آشکارہ کیا۔

خدا کے فضل وکرم اور میرے آقا کی دعاؤں سے ہندو۔ مسلمان غیر احمدی سب آتے اور مجھے اور ہماری امیر قافلہ ماسٹر محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور کو مبارکباد دیتے تھے۔ الحمد للہ۔ اسکے بعد بتاریخ ۱۹۔ مارچ سنہ ۱۶ء کو صبح کا اجلاس شروع ہوا۔ (باقی آئندہ انشاءاللہ تعالیٰ)

بخدمت برادران احمدی و سکرٹریان انجمن ہائے احمدیہ

السّلام علیکم ورحمة الله وبرکاتهٗ۔

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ باوجود کئی قسم کے مشکلات کے سلسلہ احمدیہ کے تمام کام ہر رنگ میں ترقی کر رہے ہیں۔ مگر سلسلہ کی ترقی کے ساتھ اخراجات بھی ترقی پر ہیں۔ اس لیئے روپیہ کی سخت ضرورت پیش آتی ہے۔ اسلیئے تمام احمدی بھائیوں کی خدمتمیں نہایت زور سے اپیل کیجاتی ہے کہ وہ ہر دو انجمنوں یعنی صدر انجمن احمدیہ اور انجمن ترقی اسلام کے چندوں کی طرف فوری توجہ فرماویں۔ کیونکہ کافی روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے منتظمین کو سخت دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور سلسلہ کے کام رُک بھی نہیں سکتے۔ مبلغین کو دُور دُور مقامات پر بھیجا جاتا ہے۔ بعض اضلاع میں مستقل مبلغ مقرر ہیں۔ صدر انجمن کے مختلف صیغوں کا سات آٹھ ہزار کا مستقل ماہوار خرچ ہے بہت سے مساکین کو وظیفے دیکر مدرسہ احمدیہ و ہائی سکول و درزیخانہ وغیرہ میں تعلیم

دیجاتی ہے۔ کئی یتامیٰ کی پرورش کیجاتی ہے۔ کئی بیواؤں کی امداد کرنی پڑتی ہے۔ دُور دُور مقامات سے مثلاً بنگال۔ مالابار۔ افغانستان سے لوگ دینی تعلیم حاصل کرنیکے لیئے قادیان میں آتے ہیں۔ کثرت سے مہمانوں کی آمد و رفت ہے۔ انکی مہمان نوازی کے اخراجات ہیں۔ مختلف ٹریکٹ عام اشاعت کے لیئے شائع کرنے پڑتے ہیں۔ غرض بے شمار قسم کے اخراجات ہیں جن کا ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مگر ان ضروری اور لابدی اخراجات کیلیئے جسقدر روپیہ کی ضرورت ہے اسقدر آمد نہیں۔ اور یہ اخراجات چل نہیں سکتے جب تک ہماری جماعت پوری توجہ سے اس بارہ میں اپنے فرض کو ادا نہ کرے۔ پس --- ہر ایک احمدی کیخدمت میں التماس ہے کہ وہ ان اخراجات کو کم از کم ایسا ہی ضروری سمجھے جیسے کہ وہ اپنے گھر کے اخراجات کو ضروری سمجھتا ہے اور انکے لیئے اُسکو ایسی ہی فکر کرنی چاہیئے جیسی کہ وہ اپنے اخراجات کیلیئے فکر کرتا ہے۔ اس امر کی طرف تمام احمدیوں کو عموماً اور تمام سکرٹری صاحبان کو خصوصاً متوجہ کرتا ہوں کہ بہت کوشش سے روپیہ جمع کر کے قادیان میں بھیجیں۔ اللہ تعالیٰ آپ صاحبان کو اسکا اجر عظیم عطا فرماوے گا۔

میرے ان چند الفاظ کو آپ معمولی نظر سے نہ دیکھیں بلکہ یہ سمجھیں کہ سخت اور فوری ضرورت کی وجہ سے یہ اپیل آپ صاحبان کی خدمت میں کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق بخشے کہ آپ اس دینی خدمت کو ایسے صدق اور اخلاص سے پورا کریں کہ خدا اس کو دیکھ کر تم پر راضی ہوجائے۔ بعض احباب اور انجمنوں کے نام ایک خاص رقم معین کر کے انکو اطلاع دیگئی تھی۔ ایسے احباب اور انجمنوں کیخدمت میں عرض ہے کہ اگر ابھی آپنے وہ معینہ رقم ادا نہیں کی تو اسکی طرف بھی توجہ فرمادیں۔

نیز یہ بھی یاد رہے کہ جو روپیہ بھیجا جاوے اسمیں یہ تعیین ضرور کیجاوے کہ اسمیں صدر انجمن کا چندہ کسقدر ہے اور ترقی اسلام کا کسقدر۔

حضرت خلیفۃ المسیح کا ارشاد ہے کہ ...... اس چندہ کے علاوہ ... جو احباب صدر انجمن احمدیہ کیلیئے دیتے ہیں ہر ایک صاحب ایک پیسہ فی روپیہ کے حساب سے اور زمیندار احباب ایک سیر فی من کے حساب سے ترقی اسلام کے لیئے باقاعدہ چندہ دیا کریں۔ پس اس امر کا بھی احباب ضرور نوٹ کرلیں اور اس کے مطابق تعمیل فرماویں۔ اللہ تعالیٰ آپ صاحبان کے دلوں میں موجودہ سخت ضروریات کا احساس پیدا کرے اور اس راہ میں اپنے مال کی قربانی کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین

نیز احباب ہر دو انجمنوں کی امداد اس طرح بھی کرسکتے ہیں کہ مدرسہ احمدیہ و ہائی سکول میں اپنے لڑکے پڑھنے کے لیئے بھیجیں۔ قرآن شریف انگریزی و اردو۔ و ریویو اردو و انگریزی کی اشاعت اور خریداری میں امداد دیں۔ و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

نوٹ:۔ یہ چٹھی سکرٹری صاحبان احباب کو جمع کر کے سُنادیں۔ اور چندہ کی فراہمی کیلیئے کوشش فرمادیں۔

شیر علی عفا اللہ عنہ

اسسٹنٹ سکرٹری صدر انجمن احمدیہ

و سکرٹری ترقی اسلام قادیان ۱۶۔ اپریل ۱۹۱۶ء

اس گرمی کے موسم میں چار دوائیاں آپکے گھر کے سچے دوست ہیں

وقت پر صلاح

جو دوست ہوتے ہیں وہ خطرہ سے بچنے کیلیئے وقت سے پہلے نیک صلاح دیتے ہیں۔

ڈاکٹر ایس کے برمن کی یہ صلاح ہے کہ موسم گرما آگیا ہے۔ اس موسم میں کھانے پینے رہنے کے باعث ہیضہ ہونیکا خوف رہتا ہے۔ اس سے بچنے کیلیئے پہلے ہی ایک شیشی اصلی عرق کافور منگوا کر اپنے گھر میں ڈال رکھیں جس سے اپنی یا اپنے پڑوسیونکی وقت پر حفاظت کر سکیں۔ یہ اصلی عرق کافور عرصہ ۱۲ سال سے تمام ہندوستان میں جاری ہے۔ یہ عرق کافور گرمی دست پیٹ کے درد متلی کیلیئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے قیمت ایک شیشی ۴ر محصولڈاک ایک سے ۴ شیشی تک ۸ر ۱۲ شیشی تک ۱ر

بدہضمی و بدہضمی کے دست کی ٹکیہ

غذا تحلیل نہ ہونے کو بدہضمی کہتے ہیں۔ جیسے غذا کھانے کے بعد پیٹ کا بھاری رہنا پیٹ میں ریاح ہونا جی متلانا کھٹی ڈکار آنا قوت ہاضمہ کے خراب ہوجانیسے ہوتا ہے جب غیر منہضم غذا کیجاوی تب پیٹ میں گڑگڑاہٹ ہوتی ہے اور پیٹ پھولتا ہے اور دست ہوتے ہیں اور اس وجہ سے جسم نحیف اور مرض لاعلاج ہوجاتا ہے اس مرض کے ہونیکے اسباب یوں ہیں ضعیفی کا عالم کسی خاص بیماری کے بعد ضعف کا ہونا۔ کم کھانا۔ منی کا بیفائدہ ضائع ہونا زیادہ محنت فکر و تردد یا غم اور ان خرابیوں کی حالت میں جو بچہ جننے کے وقت ہوتی ہے ان باتوں کا غور کرکے ڈاکٹر برمن نے یہ بدہضمی کی ٹکیہ بنائی ہے جس سے غذا تحلیل ہوتا ہے اور بدہضمی کی خرابی کو دور کرنے میں نہایت مفید ہے ٹکیہ کی ایک شیشی قیمت ۸ر محصولڈاک سے ۴ شیشی تک ۵ر

طاقت بڑھانے والا پھل

کولا ٹانک افریقہ کا ایک نہایت قوت دینے والا پھل ہے۔ زیادہ فکر یا محنت کیوجہ یا غم و بیماری و تبدیلی آب و ہوا کے سبب بدن کمزور ہوگیا ہو تو اسکو استعمال کیجیے۔ نئی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ دم کو بڑھاتا ہے اسلیئے گھوڑے کی سواری پہاڑ کی چڑھائی کشتی کسرت ناچ گانا پڑھنا پڑھانا وغیرہ کاموں میں پہلے اسکو استعمال کرنیسے دم نہیں پھولتا ہے دل۔ دھڑکن کو روکتا ہے۔ رات کو جاگتا ہو اسکو پی لیجیے تکان نہیں ہوگا یہ شراب اور افیون کی عادت کو چھڑاتا ہے۔ مفصل حالات کی فہرست بلاقیمت منگوا کر دیکھئے ۳۲ خوراک کی شیشی ایک روپیہ ۱ع محصول ۵ر

ڈاکٹر ایس کے برمن تاراچند دت اسٹریٹ نمبر ۵ و ۶ کلکتہ

Reg. No. L 303

کلکتہ کے نامی ڈاکٹر ایس کے برمن کی مشہور دوائیوں کا اشتہار

مفصل حال کی فہرست بلا قیمت بمحصول ملتی ہیں۔

۳۱ برس سے تمام ہندوستان میں جاری ہیں

نقلی برمن اور جھوٹی تعریف

ہیضہ کے لئے — اصل عرق کافور — لاجواب

دوا۔ وقت پر ہیضہ سے بچانے والی دوا اصل عرق کافور ہی ہے اور اسکے استعمال سے ۹۹ فیصدی مریض شفا پاتے ہیں۔ یہ ہر اہل و عیال والے اور مسافروں کو ضرور رکھنا چاہیئے۔ قیمت فی شیشی ۴ر محصول ۴ شیشی تک ۵ر

فوراً دم کو — دمہ کی دوا — دباتی ہے

دمہ چاہے جتنے زور سے اٹھتا ہو اس دوا کے ایک ہی خوراک کے پینے سے دب جاتا ہے۔ کچھ عرصہ تک اسی دوا کے برابر استعمال کرنے سے بہتیرے لوگوں کا دمہ جڑ سے چلا جاتا ہے۔ قیمت فی شیشی عہ ڈاک محصول ۳ شیشی تک ۵ر

ہر ایک کے لئے — کسولا ٹانک — طاقت

بڑھانے کی دوا۔ اسمیں افیون چھڑانے اور شراب کی برائیوں کو مٹانے کی خاص صفت ہے۔ ہولا ٹانک ہر کن اور کلیجہ کی کمزوری میں کولا ٹانک رونق دیتا ہے۔ محنت رات کو جاگنا۔ کشتی بکثرت۔ اور گانے وغیرہ پیشہ کے چلے کو لا ٹانک پینے سے تکان میں ہوگا۔ قیمت ایک روپیہ عہ فی شیشی محصول ۵ر

اندرونی یا — پین پیلر — بیرونی درد چاہے

کسی وجہ سے ہو اسکے استعمال سے فوراً دور ہوجاتا ہے گٹھیا کا درد۔ چوٹ کا درد۔ ہر قسم کے درد کو یہ مفید ہے کمر جوڑ کے درد بھی اس سے جاتے ہیں۔ قیمت فی شیشی ۱۲ر محصول ڈاک ۵ر

فصلی بخار و طحال کی دوا

(۱) یہ ملیریا کے کیڑوں کو مار دیتی ہے اسلئے چار پانچ خوراک کے استعمال سے بخار کا آنا بند ہوجاتا ہے (۲) یہ خون کو گاڑھا کرتی ہے اور خرابی دور کرتی ہے (۳) یہ تلی کو گلاتی ہے جسم میں قوت لاتی ہے۔ قیمت شیشی کلاں ۱۴ر محصول ڈاک ۶ر چھوٹی شیشی ۸ر محصول ڈاک ۵ر دو شیشی ۶ر

پوٹاس اور — ای وڈ ائڈ سالسہ — وڈ ائڈ آف

چند چیزوں کی آمیزش کرکے یہ سالسہ بنایا ہے اس لئے باعتبار اور سالسوں کے یہ اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ گرمی گٹھیا بگڑے ہوئے خون سے جلد کا پھٹنا یا زخم وغیرہ چند روز کے استعمال سے نیا خون پیدا کرتا ہے اور ہمیشہ کے لئے چنگا کر دیتا ہے قیمت ۳۲ خوراک کی شیشی ایک روپیہ (عہ) محصول ڈاک چھ آنہ (۶ر)

ریاحی درد لحظ میں — سر درد و ریاح درد کی دوا — بہا لیجاتی ہے

اور یہ دوا لحظ میں درد کو دور کر دیتا ہے۔ درد ریاح جیسے ٹیس کنگھنی سی جو کہیں ہو اس کو دور ہوتی ہے نیم سر درد کو بھی یہ مفید ہے کھانے کے بعد ہی فوراً۔ اثر دکھلاتی ہے۔ درد کو مٹاتی ہے قیمت ۱۲ ٹکیوں کی شیشی چھ آنہ ڈاک خرچ ایک شیشی سے چھ شیشی تک پانچ آنہ (۵ر)

نوٹ:۔ ہر جگہ و ہر شہر میں ایجنٹ اور مشہور دوا فروش کے یہاں ملتی ہیں۔

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبرہ ۵ و ۶ تاچند دت اسٹریٹ کلکتہ

باہتمام شیخ عبد الرحمن صاحب قادیانی پرنٹر ضیاء الاسلام پریس قادیان میں باہتمام حصور انجمن احمدیہ کے لئے چھپ کر شائع ہوا

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ٭ لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۵ بابت ماہ مارچ و اپریل سنہ ۱۹۱۶ء نمبر ۳ و ۴

مطابق جمادی الاولی والآخرۃ سنہ ۱۳۳۴ھ

چندہ سالانہ

معہ محصولڈاک

فہرست مضامین

اعلان

ذیل کی کتب دفتر میگزین قادیان سے نقد قیمت آنے پر یا بذریعہ وی پی طلب کرنے پر مل سکتی ہیں:-

اسلامی اصول کی فلاسفی	۵/	چشمۂ آریہ اسلام مجلد	عہ
		غیر مجلد	۱۲/
ضمیمہ اسلام انگریزی	۱۰/	سرمہ چشم آریہ	۱۲/
براہین احمدیہ ہر چہار حصہ	عہ	ضرورت امام	۱۰/
پارہ دوئم سے ہفتم تک فی پارہ ۱/	۶/	یسرنا القرآن حصہ اول	۳/
		حصہ سوئم	۱/
تفسیر القرآن مولوی سرور شاہ صاحب والی پارہ اول تا ہشتم	۸ روپے	مجموعہ فتاوی احمدیہ ہر سہ حصص	عہ

باقی کتابوں کی فہرست طلب کرنے پر مل سکتی ہے۔

ریویو اردو - انگریزی ذیل کے نرخ پر مل سکتے ہیں:-

اردو ۲-۱۰-۱۹۱۱ء چار روپے فی جلد - کیونکہ بہت تھوڑی جلدیں باقی ہیں - باقی جملہ جلدیں شرح عہ فی جلد - انگریزی ۱۹۰۲ء ختم ۱۹۰۳ء صرف ایک جلد ہے ۱۲ جہ - ۱۹۰۵-۱۹۱۰ء بالکل تھوڑی کاپی ہیں ۸ فی جلد - ۱۹۰۶ء ایک کاپی ہے ۱۲ - باقی جملہ جلدیں بشرح للعہ جلد

ضرورت:- دفتر میں ۲-۳-۵-۱۰-۱۹۱۱ء کے متفرق پرچوں کی ضرورت ہے جن صاحب کے پاس ہوں اور وہ دفتر میں مفت یا قیمتاً دینا چاہیں تو پرچوں کی فہرست بھیجکر خط و کتابت کریں۔

منیجر ریویو قادیان

ڈاکٹر کی ہدایت

ہر ایک قسم کے بخار کیلئے باٹلی والا کا بخار کا عرق اور گولیاں استعمال کرنی چاہئیں قیمت عہ

باٹلی والا کی مقوی گولیاں ضعف دماغ، ضعف اعصاب، دق کے ابتدائی عوارض اور بدہضمی کیلئے بہت مفید ہیں عہ باٹلی والا کا دانتوں کا منجن نہایت مفید قیمت ۴/

باٹلی والا کا داد کا مرہم جو پھوڑے پھنسیوں کیلئے مفید ہے قیمت ۴/

تمام بڑے دوا فروشوں سے یا ذیل کے پتہ سے مل سکتی ہیں:-

ڈاکٹر ایچ - ڈی - باٹلی والہ اینڈ سنز دادر - بمبئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسلام اور دیگر مذاہب ٭

پیشتر اس کے کہ میں اس مضمون کو شروع کروں جسپر بولنے کے لیئے میں اسوقت کھڑا ہوا ہوں میں خدائے تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے ہمیں وہ طاقتیں عطا فرمائیں جن کے ذریعہ سے ہم باریک مسائل پر غور کرنے اور فکر کرنیکے قابل ہوئے جنکی وساطت سے ہم اس وراء الوراء ہستی تک پہنچ سکیں جو تمام موجودات کی خالق اور رازق اور مالک ہے ہاں میں اُس شہنشاہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو باوجود اپنی بے انتہا قدرتوں اور طاقتوں کے باوجود اپنی لا انتہا پاکیزگی اور طہارت کے کمزور اور ضعیف انسان کی ہدایت کے لیئے متوجہ ہوا اور اسے ایسی طاقتیں اور ایسے علوم عطا فرمائے جن کے ذریعہ سے وہ تمام درمیانی روکوں کو دور کرتے ہوئے اور تمام پردوں کو چاک کرتے ہوئے اپنے آقا کے دربار میں پہنچ سکتا اور اسکے قرب کے مقام کو پا سکتا ہے۔ پھر میں تیسری دفعہ شکریہ ادا کرتا ہوں اس شہنشاہ کا کہ اس نے انسان کی کمزوری دیکھکر اپنے فضل و کرم سے انسانوں میں سے پاک اور برگزیدہ انسانوں کو چنا تا وہ اس کا شیریں کلام سنیں اور اپنے ایمان کی بنیاد مشاہدہ کی مضبوط چٹان پر رکھیں اور جس نے انکو ایسے زبردست نشان عطا فرمائے کہ جنہیں دیکھکر دوسرے لوگ بھی جو صداقت کی تڑپ اپنے اندر رکھتے ہیں اپنے ایمان کو

٭ یہ مضمون انگریزی میں بمقام دہلی ۶۔ مارچ ۱۹۱۶ء کو ایک عام جلسہ میں پڑھکر سنایا گیا۔
(ایڈیٹر)

کامل کریں پھر مَیں شکریہ ادا کرتا ہوں اس محسن رب کا جس نے ہمیں ایک ایسی حکومت کے ماتحت رکھا ہے کہ جس کی پُر امن حکومت میں ہم آزادی سے مذہبی امور میں تبادلۂ خیالات کرسکتے ہیں اور بلا خوف و خطر اپنی تحقیقات کو دوسرے بھائیوں تک پہنچا سکتے ہیں۔

اسکے بعد مَیں آپ لوگوں کی توجہ اس بات کی طرف منعطف کرانی چاہتا ہوں کہ میری غرض اسوقت اسلام اور دیگر مذاہب کا مقابلہ اس رنگ میں کرنا نہیں ہے کہ مَیں مختلف مذاہب پر کچھ الزامات لگا کر بتاؤں کہ وہ تمام مذاہب باطل ہیں اور صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیئے خدائے تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہے کیونکہ اگر مَیں ایسا کروں تو نہ صرف یہ کہ عقل انسانی میرے اس خیال کو بڑے زور سے ردّ کریگی بلکہ خود اسلام بھی میرے اس خیال سے برّیت ظاہر کریگا کیونکہ اسلام خدائے تعالیٰ کو ظالم قرار نہیں دیتا اور وہ دنیا سے ہرگز یہ بات منوانا نہیں چاہتا کہ جبتک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف نہ لائے تھے اسوقت تک خدا تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لیئے کوئی سامان پیدا نہیں کیا تھا۔ اگر خدائے تعالیٰ قدیم الایام سے اپنے بندوں کی جسمانی ضروریات کو پورا کرتا چلا آیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس نے انکی روحانی ضروریات کے پورا کرنیکا سامان نہ کیا ہو اور لاکھوں برس تک انسان کو گمراہی میں پڑا رہنے دیا ہو۔ اسلام اس خیال کا بالکل مخالف ہے اور وہ خدائے تعالیٰ کو رب العالمین قرار دیتا ہے یعنی جسکی ربوبیت ہر زمانہ اور ہر ملک کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور کسی خاص قوم یا خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جس طرح اس کا سورج ہمیشہ سے اپنی روشنی سے بنی نوع انسان کی جسمانی آنکھوں کو منوّر کرتا رہا ہے اسی طرح اس کا نور ہمیشہ ہمیش سے انسانی عقل کو اپنی چمکدار شعاؤں سے منوّر کرتا رہا ہے اور جس طرح چند گیسوں سے مرکب پانی ہمیشہ سے انسان کے جسم کو تازہ رکھنے کے لیئے اسکی طرف سے نازل ہوتا رہا ہے اسی طرح راستی اور صداقت سے مرکب وحی روح کو سرسبز و شاداب رکھنے کے لیئے اسکی طرف سے اُترتی رہی ہے اور اس نے اپنے احسانات سے کسی قوم کو محروم نہیں رکھا نہ تو اس نے ہندوستان کے باشندوں سے بخل کیا ہے نہ ایران کے باشندوں سے نہ اس نے چین کے باشندوں سے اپنی موہبت

اسلام دنیا کے تمام انبیاء کی تصدیق کرتا ہے